

الحمد لله والمنة

کہ رسالہ تالیف کردہ مجدد دوران مسیح الزمان

مرزا غلام احمد صبار رئیس قادیان موسوم بہ

الہامی

الہامی

کیا شایان تہذیب و تمدن ہے جس نے بتا دیا ہے عارف طیب پائین نوری خطاب
کیا شایان تہذیب و تمدن ہے جس نے بتا دیا ہے عارف طیب پائین نوری خطاب

توضیح

مسیح کا دوبارہ دنیا میں آنا

بار دوم ماہ جولائی ۱۸۹۷ء

باہتمام شیخ نور احمد مالک مطبع ریاض مہند پرستان

مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں چھپا

قیمت بلا محصول ڈاک ۲۰۰



مسیح کا دوبارہ دنیا میں آنا

مسلمانوں اور عیسائیوں کا کئی قدر اختلاف کیساتھ یہ خیال ہے کہ حضرت مسیح بن مریم اسی غرضی جو
 سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں۔ اور پھر وہ کسی زمانہ میں آسمان سے اترینگے۔ میں اس خیال
 کا غلط ہونا اپنے اسی رسالہ میں لکھ چکا ہوں۔ اور نیز یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ اُس نزول سے مراد
 درحقیقت مسیح بن مریم کا نزول نہیں بلکہ ستارہ کی طور پر ایک مثل مسیح کے آنے کی خبر دینے والے جس کا
 مصداق حسبِ اعلام و الہام الہی یہی عاجز ہے۔ اور مجھے یقیناً معلوم ہے کہ میری اس رائے کے
 شایع ہونے کے بعد جہیز میں بتات الہام سے قائم کیا گیا ہوں بہت سی قلمیں مخالفانہ طور پر لکھی
 اور ایک تعجب اور انکار سے بھرا ہوا شور عوام میں پیدا ہوگا۔ اور میرا ارادہ تھا کہ بالفعل میں کلام کو طویل
 دینے سے مجتنب رہوں اور اعتراضات کے پیش ہونے کے وقت انکے دفع دفع کے لئے مفصل جواب
 و دلائل جیسے معترضین کے خیالات کے حالات موجودہ ہوں پیش کروں۔ لیکن اب مجھے اُس ارادہ میں
 نقص معلوم ہوتا ہے کہ میری کوتاہ فہمی کی حالت میں نہ صرف عوام الناس بلکہ مسلمانوں کے خواص
 بھی جو انکے بعض مولوی ہیں بباغت اپنے تصور فہم کے جو انکی حالت متزلزل کو لازم پڑا ہوا ہے اور نیز
 بوجہ متاثر ہونے کے ایک پورا نے خیال سے خواہ مخواہ میری بات کو رد کرنے کے لئے مدعیانہ کھڑے
 ہونگے اور اپنے دعوے کے طرفدار بن کر بہر حال اُسی دعوے کی سچائی ثابت ہو جانا چاہیں گے۔ پس
 مدعی ہو کر مقابل پر کھڑے ہو جانا انکے لئے سخت حجاب ہو جائے گا۔ جس سے باہر نکلنا اور اپنی شہوت
 کردہ رائے سے رجوع کرنا انکے لئے مشکل بلکہ محال ہوگا۔ کیونکہ ہمیشہ یہی دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی
 مولوی ایک رائے کو علیٰ رؤس الاشہاد ظاہر کر دیتا ہے اور اپنا فیصلہ ناطق اُسکو قرار دیتا ہے تو
 پھر اُس رائے سے عود کرنا اُسکو موت سے ہر تر دکھائی دیتا ہے۔ لہذا میں نے تجلّیٰ تیری چاہا کہ قبل انکے
 کہ وہ مقابل پر اگر بہت اور ضد کی بلا میں پھنس جائیں آپ ہی اُنکو ایسے صاف اور مدلل طور پر سمجھا دیا جا کہ

جو ایک دانا اور منصف اور طالب حق کی تسلی کے لئے کافی ہو۔ اگر بعد میں پھر لکھنے کی ضرورت پڑی تو شاید ایسے لوگوں کے لئے وہ ضرورت پیش آوے کہ جو غایت درجہ کے سادہ لوح اور غبی ہیں جنکو آسمانی کتابوں کے استعارات مصطلحات و دقائق تاویلات کی کچھ بھی خبر بلکہ مس تک نہیں۔ اور لایمسہ کی نفی کے نیچے داخل ہیں۔

اب پہلے ہم صفائی بیان کے لئے یہ لکھنا چاہتے ہیں کہ بائبل اور ہماری احادیث اور اخبار کی کتابوں کے رو سے جن نبیوں کا اسی وجود عنصری کیساتھ آسمان پر جانا تصور کیا گیا ہے وہ دونوں ہیں۔ ایک یوحنا جس کا نام ایلیا اور ادریس بھی ہے۔ دوسرے مسیح بن مریم جنکو عیسیٰ اور یسوع بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں نبیوں کی نسبت عہد قدیم اور جدید کے بعض صحیفے بیان کر رہے ہیں کہ وہ دونوں آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ اور پھر کسی زمانہ میں زمین پر اترینگے اور تم انکو آسمان سے آتے دیکھو گے۔ ان ہی کتابوں سے کسی قدر ملتے جلتے الفاظ احادیث نبویہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن حضرت ادریس کی نسبت جو بائبل میں یوحنا یا ایلیا کے نام سے پکارے گئے ہیں انجیل میں یہ فیصلہ دیا گیا ہے کہ یحییٰ بن زکریا کے پیدا ہونے سے انکا آسمان سے اترنا وقوع میں آگیا ہے چنانچہ حضرت یسوع صاف صاف الفاظ میں فرماتے ہیں کہ ”یوحنا جو آنے والا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کرو۔“ سو ایک نبی کے محکمہ سے ایک آسمان پر جانے والے اور پھر کسی وقت اترنے والے یعنی یوحنا کا مقدمہ تو انفضال پا گیا اور دوبارہ اترنے کی حقیقت اور کیفیت معلوم ہو گئی چنانچہ تمام عیسائیوں کا متفق علیہ عقیدہ جو انجیل کے رو سے ہونا چاہیے یہی ہے کہ یوحنا جس کے آسمان سے اترنے کا انتظار تھا وہ حضرت مسیح کے دو تین آسمان سے اس طرح اتر آیا کہ زکریا کے گھر میں اسی طبع اور خاصیت کا بیٹا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا۔ البتہ یہودی اسکے اترنے کے اب تک منتظرین ان کا بیان ہے کہ وہ مسیح آسمان سے اترے گا۔ اول بیت المقدس کے منار و نپراس کا نزول ہوگا۔ پھر وہاں سے یہودی لوگ اکٹھے ہو کر اُسکو کسی نردبان وغیرہ کے ذریعہ سے نیچے اتار لیں گے۔ اور جب یہودیوں کے سامنے وہ تاویل پیش کیجائے جو حضرت مسیح علیہ السلام نے یوحنا کے اترنے کے بارے میں کی ہے تو وہ فی الفور غصہ سے بھر کر حضرت مسیح اور ایسے ہی حضرت یحییٰ کے حق میں ناگفتنی باتیں سناتے ہیں۔ اور اُسی نبی کے فرمودہ کو ایک ملحدانہ خیال تصور کرتے ہیں۔ بہر حال آسمان سے اترنے کا لفظ جو تاویل رکھتا ہے مسیح کے بیان سے اسکی حقیقت ظاہر ہوئی اور ان ہی کے بیان سے یوحنا کے آسمان سے اترنے کا جھگڑا طے ہوا اور یہ بات

یوحنا کی نسبت عہد قدیم اور جدید کے بعض صحیفے بیان کر رہے ہیں کہ وہ دونوں آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ اور پھر کسی زمانہ میں زمین پر اترینگے اور تم انکو آسمان سے آتے دیکھو گے۔

کھل گئی کہ آخر اترے تو کس طرح اترے۔ مگر مسیح کے اترنے کے بارے میں اب تک بڑے جوش سے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عمدہ اور شاہانہ پوشاک قیمتی پارچا کی پہنے ہوئے ❖ فرشتوں کے ساتھ آسمان سے اتریں گے۔ مگر ان دو قوموں کا اس پر اتفاق نہیں کہ کہاں اترینگے۔ آیا مکہ معظمہ میں یا لندن کے کسی گرجا میں یا اسکو کے شاہی کلیسا میں۔ اگر عیسائیوں کو پرانے خیالات کی تقلید نہیں نہ ہو تو وہ مسلمانوں کی نسبت بہت جلد سمجھ سکتے ہیں کہ مسیح کا اترنا اسی تشریح کی موافق چاہیے جو خود حضرت مسیح کے بیان سے صاف لفظوں میں معلوم ہو چکی ہے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی صورت کے دو امر دو متناقض محض پر محمول ہو سکیں۔ یہ بات اہل الہ کے غور کے قابل ہے کہ اگر حضرت مسیح کی وہ تاویل جو انھوں نے یوحنا کے آسمان سے اترنے کی نسبت کی ہے فی الواقع صحیح ہے تو کیا حضرت مسیح کے نزول کے مقدمہ میں جو اسی پہلے مقدمہ کا ہمسک ہے اسی تاویل کو کام میں نہیں لانا چاہیے جس حالت میں ایک نبی اس سرستہ راز کی اصل حقیقت کھول چکا ہے اور قانون قدرت بھی اسی کو چاہتا اور اسی کو مانتا ہے تو پھر اس صاف اور سیدھی راہ کو چھوڑ کر ایک پیچیدہ اور قابل اعتراض راہ اپنی طرف سے کھودنا کیونکر قبول کرنے کے لائق ٹھہر سکتا ہے۔ کیا ذی علم اور ایماندار لوگوں کا کائنات جسکو مسیح کے بیان سے بھی پوری پوری مدد مل گئی ہے کسی اور طرف اپنا رخ کر سکتا ہے اور مسیحی لوگ تو اس وقت سے دس برس پہلے اپنی یہ پیشگوئی بھی انگریزی اخباروں کے ذریعہ سے شائع کر چکے ہیں کہ تین برس تک مسیح آسمان سے اترنوا لا ہے۔ اب جو خدا تعالیٰ نے اُس اترنے والے کا نشان دیا تو مسیحیوں پر لازم ہے کہ سب سے پہلے وہی اُسکو قبول کریں تا اپنی پیشگوئی کے آپ ہی کذب نہ ٹھہریں۔

عیسائی لوگ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ حضرت مسیح اٹھائے جانے کے بعد بہشت میں داخل ہو گئے۔ لوگوں کی تخیل میں خود حضرت مسیح ایک چور کو قتل دیکر کہتے ہیں کہ ”آج تو میرے ساتھ بہشت میں داخل ہوگا“ ❖ اور عیسائیوں کا یہ عقیدہ بھی متفق علیہ ہے کہ کوئی شخص بہشت میں داخل ہو کر پھر اس سے نکالا نہیں جائیگا گو کیسا ہی ادنیٰ درجہ کا آدمی ہو۔ چنانچہ یہی عقیدہ

❖ حاشیہ: یہ پارچات از قلم شہینہ یا بر شہینہ ہو گئے جیسے چڑیا۔ گھردن۔ طلس۔ کجواب۔ زربفت۔ زری۔ ہا ہی یا معمولی سودی کپڑے جیسے نین کے تین زیب۔ اینگ۔ چکن۔ گلشن۔ مل۔ جالی۔ خاصہ۔ ڈوریا۔ چارخانہ۔ اور کس نے آسمان میں بنے اور کس نے سے ہو گئے اب تک کسی مسلمانوں یا عیسائیوں میں سے اس کا کچھ پتہ نہیں دیا

مسلمانوں کا بھی ہے۔ اللہ جل شانہ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ۔ یعنی جو لوگ بہشت میں داخل کئے جائیں گے پھر اُس سے نکالے نہیں جائیں گے۔ اور قرآن میں مین اگرچہ حضرت مسیح کے بہشت میں داخل ہونے کا بہ تصریح کہیں ذکر نہیں لیکن انکے وفات پا جانے کا تین جگہ ذکر ہے ﴿اور مقدس بندوں کیلئے وفات پانا اور بہشت میں داخل ہونا ایک ہی حکم میں ہے۔ کیونکہ بر طبق آیت قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ۔ وادْخُلِ جَنَّتِي وَهٰذَا تَوْفَقُ بَهْشْتِیْ میں داخل کئے جاتے ہیں۔ اب مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں گروہ پر وہاں ہے کہ اس امر کو غور سے جانچیں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک مسیح جیسا مقرب بندہ بہشت میں داخل کر کے پھر اُس سے نکال دیا جائے؟ کیا اس میں خدا تعالیٰ کے اس وعدہ کا تخلف نہیں ہو سکتا؟ تمام پاک کتابوں میں بتواتر و تصریح موجود ہے کہ بہشت میں داخل ہونے والے پھر اُس سے نکالے نہیں جائیں گے؟ کیا ایسے بزرگ اور حتمی وعدہ کا ٹوٹ جانا خدا تعالیٰ کے تمام وعدوں پر ایک سخت زلزلہ نہیں لاتا؟ پس یقیناً سمجھو کہ ایسا اعتقاد رکھنے میں نہ صرف مسیح پر ناجائز مصیبت وارد کر دے بلکہ ان لغو باتوں سے خدا تعالیٰ کی کسر شان اور کمال درجہ کی بے ادبی بھی ہوگی۔ اس امر کو ایک بڑے غور اور دیدہ تہق سے دیکھنا چاہیے کہ ایک ادنیٰ اعتقاد سے جس سے نجات پانے کیلئے استعارہ کی راہ موجود ہے بڑی بڑی دینی صداقتیں آپکے ہاتھ سے فوت ہوتی ہیں۔ اور درحقیقت یہ ایک ایسا فاسد اعتقاد ہے جس میں ہزاروں خرابیاں سخت الجھن کیساتھ گرہ در گرہ لگی ہوئی ہیں۔ اور مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے کیلئے موقع ہاتھ آتا ہے۔ میں پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ یہی معجزہ کفار مکہ نے ہمارے سید مہدیؑ کی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا تھا کہ آسمان پر ہمارے روبرو چڑھیں اور روبرو ہی اتریں اور انھیں جواب ملا تھا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ یعنی خدا تعالیٰ کی حکیمانہ شان اس پاک ہے کہ ایسے کھلے کھلے خوارق اس دارالابتلا میں دکھائے اور ایمان بالغیب کی حکمت کو تلف کرے۔

❖ حاشیہ۔ قال اللہ تعالیٰ۔ فَلَمَّا تَوْفِیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبُ عَلَیْہِمْ۔ دیکھو سورہ مائدہ الجزو نمبر ۱ وان من اهل الکتاب الا لیومئذ بہ قبل موتہ سورہ النساء الجزو نمبر ۱۔ اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی۔ سورہ آل عمران الجزو نمبر ۳۔ منک

اب میں کہتا ہوں کہ جو امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو فضل الانبیاء تھے جائز نہیں اور سنت اللہ سے باہر سمجھا گیا وہ حضرت مسیح کے لئے کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ یہ کمال بے ادبی ہوگی کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایک کمال کو مستبعد خیال کریں اور پھر وہی کمال حضرت مسیح کی نسبت قریب قیاس مان لیں۔ کیا کسی سچے مسلمان سے ایسی گستاخی ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور یہ امر بھی قابل اظہار ہے کہ یہ خیال مذکورہ بالا جو کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں پھیل گیا ہے صحیح طور پر ہماری کتابوں میں اس کا نام و نشان نہیں بلکہ احادیث نبویہ کی غلط فہمی کا یہ ایک غلط نتیجہ ہے جس کے ساتھ کئی بیجا حاشیے لگا دیئے گئے ہیں اور بے اصل موضوعات سے انکور و نق دی گئی ہے اور تمام وہ امور نظر انداز کر دیئے گئے ہیں جو مقصود اصلی کی طرف رہبر ہو سکتے ہیں۔ اس بارے میں نہایت صاف اور واضح حدیث نبوی وہ ہے جو امام محمد اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لکھی ہے اور وہ یہ ہے:-

کیف انتم اذ انزل ابن مریم فیکم واما مکم منکم یعنی اس دن تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں اترے گا۔ وہ کون ہے؟ وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا جو تم ہی میں سے پیدا ہوگا۔ پس اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا کہ ابن مریم سے یہیت خیال کرو کہ پانچ مسیح بن مریم ہی اتر آئے گا بلکہ یہ نام استعارہ کی طور پر بیان لیا گیا ہے۔ ورنہ درحقیقت وہ تم میں سے تمہاری ہی قوم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا جو ابن مریم کی سیرت پر پیدا کیا جائے گا۔ اس جگہ پرانے خیالات کے لوگ اس حدیث کے معنی اس طرح چیر کرتے ہیں کہ جب حضرت مسیح آسمان سے اتریں گے تو وہ اپنے منصب نبوت سے مستعفی ہو کر آئیں گے انجیل سے انھیں کچھ غرض نہیں ہوگی۔ امت محمدیہ میں داخل ہو کر قرآن شریف پر عمل کرینگے۔ پنج وقت نماز پڑھینگے اور مسلمان کہلائینگے!! مگر یہ بیان نہیں کیا گیا کہ کیوں اور کس وجہ سے یہ تنزل کی حالت انھیں پیش آئے گی۔ بہر حال اس قدر ہمارے بھائیوں مسلمان محمدیوں نے آپ ہی مان لیا ہے کہ ابن مریم اس دن ایک مرد مسلمان ہوگا جو اپنے تئیں امت محمدیہ میں سے ظاہر کریگا اور اپنی نبوت کا نام بھی نہ لیگا جو پہلے اس کو عطا کی گئی تھی۔ اور درحقیقت یہی ایک بھاری شکل ہے کہ جو استعارہ کو حقیقت پر عمل کرنے سے ہمارے بھائیوں کو پیش آگئی جو جسکی وجہ سے انھیں ایک نبی کا اپنے منصب نبوت سے محروم ہو جانا تجویز کرنا پڑا۔ اگر وہ ان صاف اور سیدھے معنوں کو مان لیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک الفاظ سے پائے جاتے ہیں جنکے

مطابق پہلے حضرت مسیح یوحنا بنی کے بارے میں بیان فرما چکے ہیں تو ان تمام پر تکلف مشکلات سے مخلصی پاجائینگے نہ حضرت مسیح کی روح کو بہشت سے نکالنے کی حاجت پڑیگی اور نہ اُس مقدس نبی کی نبوت کا خلع تجویز کرنا پڑیگا۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہجو طبع کے مرتکب ہوں گے اور نہ احکام قرآنی کے منسوخ ہونے کا اقرار کیا جائیگا۔

شاید آخری عذر ہمارے بھائیوں کا یہ ہوگا کہ بعض الفاظ جو صحیح حدیثوں میں حضرت مسیح کے علامات میں بیان کئے گئے ہیں انکی تطبیق کیونکر کریں۔ مثلاً لکھا ہے کہ مسیح جب آئے گا تو صلیب کو توڑے گا اور جزیہ کو اٹھا دیگا اور خنزیر و نکو قتل کر دے گا۔ اور اُس وقت آئے گا کہ حب یہودیت اور عیسائیت کی بدخصالتیں مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ میں کہتا ہوں کہ صلیب کے توڑنے سے مراد کوئی ظاہری جنگ نہیں بلکہ روحانی طور پر صلیبی مذہب کا توڑ دینا اور اُس کا بطلان ثابت کر کے دکھا دینا مراد ہے۔ جزیہ اٹھا دینے کی مراد خود ظاہر ہے جس سے یہ اشارہ ہے کہ ان دونوں خود بخود دل سچائی اور حق کی طرف کھینچے جائینگے کسی لڑائی کی حاجت نہیں ہوگی۔ خود بخود ایسی ہوا چلیگی کہ جوق در جوق اور فوج در فوج لوگ دین اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے۔ پھر جب دین اسلام میں داخل ہونے کا دروازہ کھل جائے گا اور ایک عالم کا عالم اس دین کو قبول کر لیگا تو پھر جزیہ کس سے لیا جائے گا۔ مگر یہ سب کچھ ایک دفعہ واقع نہیں ہوگا۔ مان بھی سے اسکی بنا ڈالی جائیگی۔ اور خنزیروں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں خنزیر و نکو عادتیں ہیں۔ وہ اس روز حجت اور دلیل سے مغلوب کئے جائیں گے۔ اور دلائل پیسنہ کی تلوار انھیں قتل کر گی نہ یہ کہ ایک پاک نبی بنگلوں میں خنزیروں کا شکار کھیلتا پھر گیا۔

اے میری پیاری قوم! یہ سب استعارے ہیں جنکو خدا تعالیٰ کی طرف سے فہم دیا گیا ہے وہ نہ صرف آسانی سے بلکہ ایک قسم کے ذوق سے انکو سمجھ جائینگے۔ ایسے عمدہ اور بلیغ حجازی کلمات کو حقیقت پر اتارنا گویا ایک خوبصورت معشوق کا ایک دیو کی شکل میں خاک کھینچنا ہے۔ بلاغت کا تمام مدار استعارات لطیفہ پر ہوتا ہے۔ اسبوجہ سے خدا تعالیٰ کے کلام نے بھی جو بلیغ الکلم ہے جسقدر استعاروں کو استعمال کیا ہے اور کسکی کلام میں یہ طرز لطیف نہیں ہے۔ اب ہر جگہ اور ہر محل میں اُن پاکیزہ استعاروں کو حقیقت پر حمل کرتے جانا گویا اُس کلام معجز نظام کو خاک میں ملا دینا ہے۔ پس اس طریق سے نہ صرف خدا تعالیٰ کی پُر بلاغت کلام کا اصلی منشاء درہم برہم ہوتا ہے بلکہ ساتھ ہی اس کلام کے اعلیٰ درجہ کی بلاغت کو بر باد کر دیا

جاتا ہے۔ خوبصورت اور دلچسپ طریقے تفسیر کے وہ ہوتے ہیں جن میں مکالم کی اعلیٰ شان بلاغت اور اسکے روحانی اور بلند ارادوں کا بھی خیال رہے نہ یہ کہ نہایت درجہ کے سفلی اور بدنما اور بے طرح موٹے معنی جو جو طبع کے حکم میں ہوں اپنی طرف سے گھڑے جائیں اور خدا تعالیٰ کی پاک کلام کو جو پاک اور نازک دقائق پر مشتمل ہے صرف دہقانی لفظوں تک محدود خیال کر لیا جائے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ان نہایت دقیق اسرار کے مقابلہ پر جو خدا تعالیٰ کے کلام میں ہونے چاہیں اور بکثرت ہیں کیوں پیشگی اور موٹے اور کریہ معنی پسند کئے جاتے ہیں؟ اور کیوں ان لطیف معنوں کی وقعت نہیں جو خدا تعالیٰ کی حکیمانہ شان کی موافق اور اسکے عالی مرتبہ کلام کے مناسب حال ہیں؟ اور ہمارے علم کے دماغ اس بیوجہ سرکشی سے کیوں پرہیز کہ وہ الہی فلسفہ کے نزدیک آنا نہیں چاہتے؟ جن لوگوں نے ان تحقیقوں میں اپنا خون اور پسینہ ایک کر دیا ہے انکو بیشک ہمارے اس بیان سے نہ انکار بلکہ مزہ آئے گا اور ایک تازہ صداقت انکو ملیگی جسکو وہ بڑے مدوشہ کیساتھ قوم میں بیان کریں گے اور سیلک کو ایک روحانی فائدہ پہنچائیں گے۔ لیکن جنہوں نے صرف سرسری نگاہ تک اپنی فکر اور عقل کو ختم کر رکھا ہے وہ بجز اسکے کہ ناحق کے اعتراضات کی میزان بڑھا دیں اور بیجا استیخار قائم کریں اور کچھ اسلام کو اپنے وجود سے فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

اب ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے ہادی اور سید مولیٰ جناب ختم المرسلین نے مسیح اول اور مسیح ثانی میں مابہ الامتیاز قائم کرنے کے لئے صرف یہی نہیں فرمایا کہ مسیح ثانی ایک مرد مسلمان ہوگا اور شریعت قرآنی کی موافق عمل کرے گا اور مسلمانوں کی طرح صوم و صلوٰۃ وغیرہ احکام فرقانی کا پابند ہوگا اور مسلمانوں میں پیدا ہوگا اور ان کا امام ہوگا اور کوئی جداگانہ دین نہ لایگا اور کسی جداگانہ نبوت کا دعویٰ نہیں کریگا بلکہ یہ بھی ظاہر فرمایا ہے کہ مسیح اول اور مسیح ثانی کے حلیہ میں بھی فرق ہیں ہوگا۔ چنانچہ مسیح اول کا حلیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات میں نظر آیا وہ یہ ہے کہ درمیانہ قد اور سرخ رنگ گھنگریالے بال اور سینہ کشادہ ہے دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۴۸۹۔ لیکن اسی کتاب میں مسیح ثانی کا حلیہ جناب ممدوح نے یہ فرمایا ہے کہ وہ گندم گون ہے اور اسکے بال گھنگریالے نہیں اور کانوں تک لٹکتے ہیں۔ اب ہم سوچتے ہیں کہ کیا یہ دونوں علامتیں جو مسیح اول اور ثانی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں کافی طور پر یقین نہیں دلاتیں کہ مسیح اول اور ثانی ہیں اور مسیح ثانی اور ان دونوں کو ابن مریم کے نام سے پکارنا ایک لطیف استعارہ ہے جو باعتبار مشابہت طبع

اور روحانی خاصیت کے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اندرونی خاصیت کے مشابہت کے
رو سے دونیک آدمی ایک ہی نام کے مستحق ہو سکتے ہیں اور ایسا ہی دو بد آدمی بھی ایک بد آدمی
میں شریک مساوی ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے قائم مقام کہلا سکتے ہیں مسلمان لوگ
جو اپنے بچوں کے نام احمد اور موسیٰ اور عیسیٰ اور سلیمان اور داؤد وغیرہ رکھتے ہیں تو درحقیقت اسی
تفاضل کا خیال انہیں ہوتا ہے جس کی نیک فال کی طور پر راہ کیا جاتا ہے کہ یہ بچے بھی اُن بزرگوں کی
روحانی شکل اور خاصیت ایسی اتم اور اکمل طور سے پیدا کر لیں کہ گویا انہیں کاروب ہو جائیں
اس جگہ اگر یہ اعتراض پیش کیا جائے کہ مسیح کا مثل ہی نبی چاہیے کیونکہ مسیح نبی تھا تو اس کا اول
جواب تو یہی ہے کہ انبیاءِ مسیح کے لئے ہمارے سید و مولیٰ نے نبوت شرط نہیں ٹھہرائی
بلکہ صاف طور پر بھی لکھا ہے کہ وہ ایک مسلمان ہوگا اور عام مسلمانوں کے موافق شریعت
فرقانی کا پابند ہوگا اور اس سے زیادہ کچھ بھی ظاہر نہیں کر سکتا کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کا امام
ہوں ماسواء اس کے اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے اس اُمت کیلئے
محدث ہو کر آیا ہے اور محدث ہی ایک معنی میں ہی ہوتا ہے گو اس کیلئے نبوت تامہ نہیں مگر تاہم جزئی طور پر وہ ایک نبی ہی ہو سکتا
وہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کا ایک شرف مکتا ہے اور غیبی اسرار ظاہر ہو جاتی ہیں اور رسولوں اور انبیوں کی وحی کی طرح
اُس کی وحی کو بھی دخل شیطان سے منترہ کیا جاتا ہے اور منترہ شریعت اُس پر کھولا جاتا ہے اور بعینہ انبیاء
کی طرح مامور ہو کر آتا ہے اور انبیاء کی طرح اُس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنی تئیں باواز بلند ظاہر کرے
اور اُس سے انکار کرے مگر انبیاء ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہرتا ہے اور نبوت کے معنی بجز انکار
اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اُس میں پائے جائیں۔

اور اگر یہ عذر پیش ہو کہ باب نبوت مسدود ہے اور وحی جو انبیاء پر نازل ہوتی ہے اُس پر فہر
لگ چکی ہے میں کہتا ہوں کہ نہ من کل الوجوہ باب نبوت مسدود ہوا ہے اور نہ ہر ایک طور پر وحی
پر فہر لگائی گئی ہے بلکہ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا اس اُمت مرحومہ کے لئے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے
مگر اس بات کو بھنور دل یا درکھنا چاہیے کہ یہ نبوت حسبکام ہمیشہ کے لئے سلسلہ جاری رہیگا نبوت
تامہ نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں وہ صرف ایک جزئی نبوت ہے جو دوسرے
لقطوں میں محدثیت کے اسم سے موسوم ہے جو انسان کامل کے اقتدا سے ملتی ہے جو
مستحق جمیع کمالات نبوت تامہ ہے۔ یعنی ذات ستودہ صفات حضرت سیدنا و مولانا محمد
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم ارشدك الله تعالى ان النبي محدث والمحدث نبی

باعتبار حصول فرع من انواع النبوت وقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يبق
من النبوت إلا المبشرات أي لم يبق من انواع النبوت إلا الأنواع واحد وحی المبشرات
من أقسام الرويا الصادقة والمكاشفة الصيحة والوحی الذي ينزل على
خواص الأولياء والنور الذي يتجلى على قلوب قوم موحى۔ فالظر ايها الناقل البصائر
الفهيم من هذا اسد باب النبوة على وجه كل بل الحديث يدل على ان النبوت
التامة الحاملة لوحی الشريعة قد انقطعت ولكن النبوة التي ليس فيها الا المبشرات
فهي باقية الى يوم القيامة لا القطاع لها ابدًا۔ وقد علمت وقرات في كتب الحديث
ان الرويا الصالحة جزء من مستند واربعين جزء من النبوة أي من النبوة
التامة فلما كان للرويا نصيباً من هذا المرتبة فكيف الكلام الذي يوحى من الله
تعالى الى قلوب المحذنين فاعلم ايديك الله ان حاصل كلامنا ان ابواب النبوة البرزخية
مفتوحة ابدًا وليس في هذه النوع الا المبشرات او المنذرات من الامور المعنوية
او اللطائف القرآنية والعلوم الدنيوية۔ واما النبوة التي تامة كاملة جامعته
جميع كمالات الوحی فقد آتانا بالقطاعها من يوم نزل فيه۔ وما كان محمد ابداً احد
من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين۔ اگر یہ استفسار ہو کہ جس خاصیت اور قوت
روحانی میں یہ عاجز اور سچ بن مریم مشابہت رکھتے ہیں وہ کیا شے ہے تو اس کا جواب یہ ہے
کہ وہ ایک مجموعی خاصیت ہے جو ہم دونوں کے روحانی قومی میں ایک خاص طور پر رکھی گئی ہے
جس کے سلسلہ کی ایک طرف نیچے کو اور ایک طرف اوپر کو جاتی ہے۔ نیچے کی طرف سے مراد وہ
اعلیٰ درجہ کی دوسری اور غنچہ خوری خلق اللہ ہے جو داعی الی اللہ اور اس کے مستند شاگردوں
میں ایک نہایت مضبوط تعلق اور جوڑ بکس کر نورانی قوت کو جو داعی الی اللہ کے نفس پاک میں موجود
ہے ان تمام سرسبز شاخوں میں پھیلاتی ہے۔ اوپر کی طرف سے مراد وہ اعلیٰ درجہ کی محبت
قوی ایمان سے ملی ہوئی ہے جو اول بندہ کے دل میں بارادہ الہی پیدا ہو کر رب قدیر کی محبت
کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور پھر ان دونوں محبتوں کے ملنے سے جو درحقیقت نرا اور مادہ
کا حکم رکھتی ہیں ایک مستحکم رشتہ اور ایک شدید مواصلت خالق اور مخلوق میں پیدا
ہو کر الہی محبت کے چمکنوالی آگ سے جو مخلوق کی ہریم شال محبت کو بکڑ لیتی ہے ایک تیسری
چیز پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام روح القدس ہے جو اس درجہ کے انسان کی روحانی

پیدائش اُس وقت سے سمجھی جاتی ہے جبکہ خدا تعالیٰ اپنے ارادہ خاص سے اُس میں اس طور کی محبت پیدا کر دیتا ہے اور اس مقام اور اس مرتبہ کی محبت میں بطور استعارہ یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت سے بہری ہوئی روح اس انسانی روح کو جو بارادہ الہی اب محبت سے بہرگئی ہے ایک نیا تولد بخشی ہے اسی وجہ سے اس محبت کی بہری ہوئی روح کو خدا تعالیٰ کی روح سے جو نافع المحبت ہے استعارہ کے طور پر بنیت کا علاقہ ہوتا ہے اور چونکہ روح القدس ان دونوں کے ملنے سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ وہ اُن دونوں کیلئے بطور این ہے اور یہی پاک تثلیث ہے جو اس درجہ محبت کے لئے ضروری ہے جسکو ناپاک طبیعتوں نے مشرکانہ طور پر سمجھ لیا ہے اور ذرہ امکان کو جو لکۃ الذات باطلۃ الحقیقت ہے حضرت اعلیٰ واجب الوجود کے ساتھ برابر بڑا دیا ہے۔

لیکن اگر اس جگہ یہ استفسار ہو کہ اگر یہ درجہ اس عاجز اور سچ کے لئے مسلم ہے تو پھر جناب سیدنا مولانا سید الکمل و افضل الرسل حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کونسا درجہ باقی ہے سو واضح ہو کہ وہ ایک اعلیٰ مقام اور برتر مرتبہ ہے جو اسی ذات کامل الصفات پر ختم ہو گیا ہے جسکی کیفیت کو پہنچنا ہی کسی دوسرے کا کام نہیں چہ جائیکہ وہ کسی اور کو حاصل ہو سکے۔

شان احمد کہ داند جز خداوند کریم	آنچنان از خود جدا شد کز میان افتادیم
زان نمط شد محدود لبر کز کمال اتحاد	پیکر او شد سر امر صورت رب رحیم
بوسے محبوب حقیقی سید ہر زمان و ہی پاک	ذات حقانی صفاتش مظہر ذات قدیم
گرچہ سنہوم کند کس سوئی الحاد ضلال	چون دل احمد نے بنیم و گر عرشے عظیم
منت ایزد را کہ من بر زعم اہل روزگار	صد بار را میخزم از ذوق آن عین النعیم
از عنایات خدا و از فضل آن دادار پاک	دشمن فرعونیا نم بھر عشق آن کلیم
آن مقام و رتبت خاصش کہ بر من شد عیان	گفتے گردیدے طبعی درین را ہے سلیم
ورہ عشق محمد این سر و جانم رو	این تمنائیں دعائیں درد دلم عزم صمیم

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ عالیہ کی شناخت کے لئے اس قدر لکھنا ضروری ہے کہ مراتب قرب و محبت باعتبار اپنی روحانی درجات کے تین قسم میں تقسیم ہیں سب سے ادنیٰ

درجہ جو درحقیقت وہ بھی بڑا ہے یہ ہے کہ آتش محبت الہی لوح قلب انسان کو گرم تو کرے اور ممکن ہے کہ ایسا گرم کرے کہ بعض آگ کے کام اُس محروم سے ہو سکیں لیکن یہ کسر باقی رہ جائے کہ اُس متاثرین آگ کی چمک پیدا نہ ہو اس درجہ کی محبت پر جب خدا تعالیٰ کی محبت کا شعلہ واقع ہو تو اس شعلہ سے جس قدر روح میں گرمی پیدا ہوتی ہے اُس کو سکینت و اطمینان اور کبھی فرشتہ و ملک کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

دوسرا درجہ محبت کا وہ ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں جس میں دونوں محبتوں کے ملنے سے آتش محبت الہی لوح قلب انسان کو اس قدر گرم کرتی ہے کہ اُس میں آگ کی صورت پر ایک چمک پیدا ہو جاتی ہے لیکن اُس چمک میں کسی قسم کا اشتعال یا ہڑک نہیں ہوتی فقط ایک چمک ہوتی ہے جسکو روح القدس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تیسرا درجہ محبت کا وہ ہے جس میں ایک نہایت فروختہ شعلہ محبت الہی کا انسانی محبت کے مستعد فٹیلہ پر پڑ کر اُسکو فروختہ کر دیتا ہے اور اُس کے تمام اجزا اور تمام رگ و ریشہ پر استیلا کر اپنے وجود کا اتم اور اکمل مظہر اُسکو بنا دیتا ہے اور اس حالت میں آتش محبت الہی لوح قلب انسان کو نہ صرف ایک چمک بخشی ہے بلکہ معا اُس چمک کے ساتھ تمام وجود ہڑک اُٹھتا ہے اور اُس کی لویں اور شعلے ارد گرد کو روز روشن کی طرح روشن کر دیتے ہیں اور کسی قسم کی تاریکی باقی نہیں رہتی اور پورے طور پر اور تمام صفات کاملہ کے ساتھ وہ سارا وجود آگ ہی آگ ہو جاتا ہے اور کیفیت جو ایک آتش فروختہ کی صورت پر دونوں محبتوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے اسکو روح امین کے نام سے بولتے ہیں کیونکہ یہ ہر ایک تاریکی سے امن بخشی ہے اور ہر ایک غبار سے خالی ہے اور اس کا نام شدید القوی بھی ہے کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقت وحی ہے جس سے قوی تر وحی مقصور نہیں اور اس کا نام ذوالا حق الاعلیٰ بھی ہے کیونکہ یہ وحی الہی کے انتہائی درجہ کی تجلی ہے اور اس کو رائی مارائی کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے کیونکہ اس کیفیت کا اندازہ تمام مخلوقات سے قیاس اور گمان اور وہم سے باہر ہے اور یہ کیفیت صرف دنیا میں ایک ہی انسان کو ملی ہے جو انسان کامل ہے جس پر تمام سلسلہ انسانیہ کا ختم ہو گیا ہے۔ اور دائرہ استعدادات بشریہ کا کمال کو پہنچا ہے اور وہ درحقیقت پیدائش الہی کے خط تمتد کی اعلیٰ طرف کا آخری نقطہ ہے جو ارتقاع کے تمام مراتب کا انتہا ہے حکمت الہی کے ماتھے نے ادنیٰ سی ادنیٰ خلقت اور اسفل سے اسفل

مخلوق سے سلسلہ پیدائش کا شروع کر کے اُس اعلیٰ درجہ کے نقطہ تک پہنچا دیا ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس کے معنی یہ ہیں کہ نہایت تعریف کیا گیا ہے یعنی کمالات تامہ کا مظہر سمجھا جیسا کہ فطرت کے رو سے اُس نبی کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ و ارفع مرتبہ وحی کا اُس کو عطا ہوا اور اعلیٰ و ارفع مقام محبت کا ملایہ وہ مقام عالی ہے کہ میں اور مسیح دونوں اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے اس کا نام مقام جمع اور مقام وحدت تامہ ہے پہلے نبیوں نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی ہے اسی پتہ و نشان پر خبر دی ہے اور اسی مقام کی طرف اشارہ کیا ہے اور جیسا مسیح اور اس عاجز کا مقام ایسا ہے کہ اس کو استعارہ کے طور پر انبیت کے لفظ سے تعبیر کر سکتے ہیں ایسا ہی یہ وہ مقام عالیشان مقام ہے کہ گذشتہ نبیوں نے استعارہ کی طور پر صاحب مقام ہذا کے ظہور کو خدا تعالیٰ کا ظہور قرار دیا ہے اور اُس کا آنا خدا تعالیٰ کا آنا ٹھہرایا جیسا کہ حضرت مسیح نے ہی ایک مثال کو پیش کر کے فرمایا کہ انگورستان کا پہلے بیڑ کیلئے اول باغ کے مالک نے (جو خدا تعالیٰ ہے) اپنے نوکر کو بھیجا یعنی ابتدائی کے قرب والوں کو جس سے مراد وہ تمام صالحی ہیں جو حضرت مسیح کے زمانہ میں اور اُسی صدی میں مگر کس قدر اُن سے پہلے آئے۔ پہر جب باغبانوں نے باغ کا پہل دینے سے انکار کیا تو باغ کے مالک نے تاکید کے طور پر اپنے بیٹے کو اُن کی طرف روانہ کیا تا اُس کو بیٹا سمجھ کر باغ کا پہل اُس کے حوالہ کریں بیٹے سے مراد اس جگہ مسیح ہے جنکو دوسرا درجہ قرب اور محبت کا حاصل ہے مگر باغبانوں نے اُس بیٹے کو بھی باغ کا پہل نہ دیا بلکہ اپنی زعم میں اُسے قتل کر دیا بعد اس کے حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ اب باغ کا مالک خود آئیگا یعنی خدا تعالیٰ خود ظہور فرمایگا تا باغبانوں کو قتل کر کے باغ کو ایسے لوگوں کو دیدے کہ اپنے وقت پر پہل دیدیا کریں اس جگہ خدا تعالیٰ کے آنے سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا آنا ہے جو قرب اور محبت کا تیسرا درجہ اپنے لئے حاصل رکھتے ہیں ۴ اور یہ سب

ہمارے سید و مولیٰ جناب مقدس خاتم الانبیاء کی نسبت صرف حضرت مسیح نے ہی بیان نہیں کیا کہ انجناب کا دنیا میں تشریف لانا درحقیقت خدا تعالیٰ کا ظہور فرماتا ہے بلکہ اس طرز کا کلام دوسرے نبیوں نے بھی ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اپنی اپنی پیشگوئیوں میں بیان کیا ہے اور استعارہ کے طور پر انجناب کے ظہور کو خدا تعالیٰ کا ظہور قرار دیا ہے بلکہ جو خدا تعالیٰ

روحانی مراتب میں کہ جو استعارہ کے طور پر مناسب حوالہ الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں یہ نہیں کہ حقیقی اہمیت اس جگہ مراد ہے یا حقیقی الوہیت مراد لی گئی ہے۔

اس جگہ اس بات کا بیان کرنا بھی بے موقعہ نہ ہو گا کہ جو کچھ ہم نے روح القدس اور روح الامین وغیرہ کی تعبیر کی ہے یہ درحقیقت ان عقاید سے جو اہل اسلام ملائیک کی نسبت رکھتے ہیں منافی نہیں ہے کیونکہ محققین اہل اسلام ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ ملائیک اپنے شخصی وجود کے ساتھ انسانوں کی طرح پیروں سے چل کر زمین پر اترتے ہیں اور یہ خیال بہ ہدایت باطل ہی ہے۔ کیونکہ اگر یہی ضرور ہوتا کہ ملائیک اپنی اپنی خدمات کی بجا آوری کے لئے اپنی اصل وجود کے ساتھ زمین پر اتر کر رہتے تو پھر اُن سے کوئی کام انجام پذیر ہونا بغایت درجہ محال تھا مثلاً فرشتہ ملک الموت جو ایک سکینڈ مین ہزار ہا ایسے لوگوں کی جانیں لگا لٹا ہے جو مختلف بلاد و امصار میں ایک دوسرے سے ہزاروں کوسوں کے فاصلہ پر رہتے ہیں اگر ہر ایک کے لئے اس بات کا محتاج ہو کر اول پیروں سے چل کر اُس کے ملک اور شہر اور گھر میں جاوے اور پھر اتنی مشقت کے بعد جان لگانے کا اُس کو موقع ملے تو ایک سکینڈ کیا اتنی بڑی کارگزار

کے مظہر اتم ہونے کے آنجناب کو خدا کر کے پکارا ہے چنانچہ حضرت داؤد کے زبور میں لکھا ہے
 تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے تیرے لبوں میں نعمت بنائی گئی اس لئے خدا نے مجھے
 کو ابد تک مبارک کیا رہے تو خاتم الانبیاء (ؑ) اُسے پہلوان قجاء و جلال سے اپنی تلوار حمل
 کر کے اپنی ران پر لٹکا امانت اور حلم اور عدالت پر اپنی بزرگواری اور اقبال مندی سے سوار
 ہو کر تیرا دہنا ہاتھ تیرے ہیبت ناک کام دکھائیگا۔ بادشاہ کے دشمنوں کے دلوں میں تیرے
 تبر تیزی کرتے ہیں لوگ تیرے سامنے گر جاتے ہیں اے خدا تیرا تخت ابد الابد ہے
 تیری سلطنت کا آثار رستی کا عصا ہے تو نے صدق سے دوستی اور شر سے دشمنی کی
 ہے اسی لئے خدا نے جو تیرا خدا ہے خوشی کے روعن سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ
 تجھے محبت کیا ہے دیکھو زبور ۴۵۔

اب جانتا چاہیے کہ زبور کا یہ فقرہ کہ اے خدا تیرا تخت ابد الابد ہے تیری سلطنت کا عصا
 راستی کا عصا ہے یہ محض بطور استعارہ ہے جس سے عرض یہ ہے کہ جو روحانی طور پر
 شان محمدی ہو اُس کو ظاہر کر دیا جائے۔ پہرے عیاءہ بنی کی کتاب میں بھی ایسا ہی لکھا ہے چنانچہ

کے لئے تو کئی مہینے کی مہلت ہی کافی نہیں ہو سکتی کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص انسانوں کی طرح حرکت کر کے ایک طرفۃ العین کے یا اس کے کم عرصہ میں تمام جہان گھوم کر چلا آوے ہرگز نہیں بلکہ فرشتے اپنے اصلی مقامات سے جو انکے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں ایک ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے جیسا کہ خدا تعالیٰ انکی طرف سے قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ **وَمَا مِّنْ آلَآءٍ مِّنْ مَّحَلٍّ وَلَا لَاحِنٍ الصَّافُونَ**۔ سورۃ صافات جزو ۲۳۔ پس اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آفتاب اپنے مقام پر ہے اور اسکی گرمی و روشنی زمین پر پھیلے اپنے خواص کے موافق زمین ہر ایک چیز کو فائدہ پہنچاتی ہے اسی طرح روحانیات سماویہ خواہ اونکو

۱۴: اسکی عبارت یہ ہے دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالوں گا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہو ۱۵: میں نے اپنی روح اُس پر رکھی وہ قوموں پر راستی ظاہر کر لگا وہ پچلا بیگا اور اپنی صدا بلند نہ کرے اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائیگا وہ سلی ہوئے سینچو کو نہ توڑیگا اور سن کو جس سے دہوانا ہوتا ہے نہ بچائے گا جب تک کہ راستی کو اس کے ساتھ ظاہر نہ کرے وہ نہ گھٹیکا نہ ہٹکے گا جب تک کہ راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور جزیرے اُس کی شریعت کے منتظر ہو دیں خداوند خدا ایک بہادر کی مانند نکلیگا وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت کو اُس کا بیگا۔ انخ اب جاننا چاہیئے کہ یہ فقرہ کہ خداوند خدا ایک بہادر کی مانند نکلیگا یہ بھی بطور استعارہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پرہیزگیت ظہور کا اظہار کر رہا ہے دیکھو یسعیاہ نبی کی کتاب باب ۴۲۔ اور ایسا ہی اور کئی نبیوں نے بھی اسی استعارہ کو اپنی پیش گوئیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کیا ہے مگر چونکہ ان سب مقامات کے لکھنے سے طول ہو جاتا ہے اس لئے بالفعل اسقدر پر کفایت کرتا ہوں اور میں نے جو اس جگہ تین مراتب قرب اور محبت کے لکھ کر تیسرا مرتبہ کہ جو بزرگترین مراتب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا ہے یہ میری طرف سے ایک اجتہادی خیال نہیں بلکہ الہامی طور پر خدا تعالیٰ نے مجھ پر کہو لیا ہے۔ منہ

یونانیوں کے خیال کے موافق نفوس فلکیہ کہیں یا وساتیر اور وید کی اصطلاحات کے موافق
 ارواح کو اکب سوانکو نامزد کرین یا نہایت سید ہے اور موجدانہ طریق سے ملائک اللہ کا
 انکو لقب دین چہ در حقیقت یہ عجیب مخلوقات اپنے اپنے مقام میں مستقر اور قرار گیرے
 اور حکمت کامل خداوند تعالیٰ زمین کی ہر ایک مستعد چیز کو اُس کے کمال مطلوب تک پہنچانی
 کے لئے یہ روحانیات خدمت میں لگی ہوئے ہیں ظاہری خدمات
 بھی بجالاتے ہیں اور باطنی بھی جیسے ہمارے جسم اور ہماری تمام ظاہری
 قوتوں پر آفتاب اور مہتاب اور دیگر سیاروں کا اثر ہے ایسا ہی ہمارے دل اور دماغ
 اور ہماری تمام روحانی قوتوں پر یہ سب ملائک ہماری مختلف استعدادوں کے موافق اپنا
 اپنا اثر ڈال رہے ہیں جو چیز کسی عمدہ جوہر بننے کی اپنے اندر قابلیت رکھتی ہے وہ اگرچہ خاک کا
 ایک ٹکڑا ہے یا پانی کا وہ قطرہ جو صدف میں داخل ہوتا ہے یا پانی کا وہ قطرہ جو رحم میں پڑتا
 ہے وہ ان ملائک اللہ کی روحانی تربیت سے لعل اور الماس اور یاقوت اور نیلم وغیرہ
 یا نہایت درجہ کا آبدار اور وزنی موتی یا اعلیٰ درجہ کے دل اور دماغ کا انسان بن جاتا ہے۔
 وساتیر جسکو مجوسی لوگ الہامی مانتے ہیں جسے اپنی مدت ظہور کی وہ لمبی تاریخ بتلائی ہے جس کا
 کروڑوں حصہ ہی وید کی مدت ظہور کی نسبت بیان نہیں کیا گیا یعنی وید کی نسبت تو صرف
 ایک ارب چھیانوین کروڑ مدت ظہور محض دوسروں کے وہم اور گمان سے قرار دی گئی ہے
 مگر وساتیر تین سیکھہ سے کچھ زیادہ اپنی مدت ظہور آپ بیان کرتا ہے بلکہ یہ تو سب سے ڈرتے
 ڈرتے لکھا ہے وہ ان تو شکوہ کی حد سے زیادہ تین صفر اور یہی درمیان ہیں۔ یہ کتاب
 ان روحانیات کو جو کو اکب اور سموات سے تعلق رکھتی ہیں نہ صرف ملائک قرار دیتی ہے
 بلکہ انکی پرستش کے لئے ہی تاکید کرتی ہے ایسا ہی وید بھی ان روحانیات کو صرف
 وسایط اور درمیانی خدمتگذار نہیں مانتا بلکہ جا بجا انکی اسادت اور مہاکرتا ہے اور ان سے
 مرادین مانگنے کی تعلیم دیتا ہے اور ممکن ہے کہ ان کتابوں میں تحریف اور الحاق کے طور

ملائک اس معنی سے ملائک کہلاتے ہیں کہ وہ ملاک اجرام سماویہ اور ملاک اجرام
 الارض ہیں یعنی انکے قیام اور بقا کے لئے روح کی طرح ہیں اور نیز اس معنی سے
 بھی ملائک کہلاتے ہیں کہ وہ رسولوں کا کام دیتے ہیں نہ

ف
 ۱۶

پر یہ کہ تعلیمیں زائیدگی ہوں جیسی وید میں اور بہی بہت سی بیجا تعلیمیں پائی جاتی ہیں مثلاً یہ تعلیم کہ اس جہان کا کوئی خالق نہیں ہے اور ہر ایک چیز اپنے اصل مادہ اور اصل حیات کے رُو سے قدیم اور واجب الوجود اور اپنے وجود کی آپ ہی خدا ہے یا یہ تعلیم کہ کسی وجود کو تمناسخ کے منہوس چکر سے کہی اور کسی زمانہ میں مخلصی حاصل ہو ہی نہیں سکتی یا یہ تعلیم کہ ایک شوہر دار عورت اولاد زینہ نہ ہونے کی حالت میں کسی غیر آدمی سے ہمبستہ ہو سکتی ہے تا اس سے اولاد حاصل کرے یا یہ تعلیم کہ بڑے بڑے مقدس لوگ بھی گو وید کے ہی رشی کیوں نہ ہوں جن پر چاروں وید اترے ہوں ہمیشہ کی نجات کہی نہیں پاسکتے اور نہ لازمی طور پر ہمیشہ بزرگوار اور عزت کے ساتھ یاد کرنے کے لائق ٹھہر سکتے ہیں بلکہ ممکن ہے کہ تمناسخ کے چکر میں آکر اور آؤر جہانداروں کی طرح کچھ کا کچھ بن جائیں بلکہ شاید بن گئے ہوں اور اُن کے زعم میں خواہ کوئی انسان اوتاروں سے بھی زیادہ مرتبہ رکھتا ہو یا وید کے رشیوں سے بھی بڑھ کر ہو اُس کے لئے ممکن بلکہ قانون قدرت کی رو سے ضروری پڑا ہوا ہے کہ کسی وقت وہ کیڑا مکوڑا یا نہایت مکروہ اور قابل نفرت جانور بن کر کسی خسیس مخلوق کی نوع میں جنم لیوے۔ یہ سب باطل تعلیمیں ہیں جو انسانوں کے رزیل خیالات نے ایجاد کی ہیں اور جن لوگوں نے یہ تمام بے شرمی کے کام اور دور از عزت انتقالات اپنی بنی نوع بلکہ اپنی بزرگوں اور پیشواؤں کے لئے جائز رکھے ہیں اور جنہوں نے یہ بھی جائز رکھ لیا کہ گواکب کی روحوں سے مراد بن مانگی جائیں اور انکی ایسی پرستش کی جائے جیسے خدا تعالیٰ کی کرنی چاہئے لیکن قرآن شریف جو ہر ایک طور سے توحید اور تہذیب کی راہ کہہ رہا ہے اُس نے ہرگز رد نہیں رکھا کہ اُس کے ساتھ کسی مخلوق کی پرستش ہو یا اسکی ربوبیت کی قدرت صرف ناقص اور ناکارہ طور پر تسلیم کریں اور اسکو ہر ایک چیز کا سید اور سرچشمہ نہ ٹھہرائیں یا کوئی اور بے شرمی کا کام اپنے طریق معاشرت میں داخل کر لیں۔

اب پھر میں ملائیک کے ذکر کی طرف عود کر کے کہتا ہوں کہ قرآن شریف نے جس طرز میں ملائیک کا حال بیان کیا وہ نہایت سیدھی اور قریب قیاس راہ ہے اور بجز اُس کے ملنے کے انسان کو کچھ بن نہیں پڑتا قرآن شریف پر بیدہ تعمق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان بلکہ جمیع کائنات الارض کی تربیت ظاہری و باطنی کے لئے بعض وسایط کا ہونا ضروری ہے اور بعض بعض اشارات قرآنیہ سے نہایت صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض وہ نفوس طیبہ جو ملائیک کے موسوم ہیں اُنکے تعلقات طبقات سماویہ سے الگ الگ

میں بعض اپنی تاثیرات خاصہ سے ہوا کے چلائے والے اور بعض مہینہ کے برسا ہوا لے اور بعض بعض اور تاثیرات کو زمین پر اوتارنے والے میں پس اس میں کچھ شک نہیں کہ بوجہ مناسبت نوری وہ نفوس طیبہ ان روشن اور نورانی ستاروں سے تعلق رکھتے ہونگے کہ جو آسمانوں میں پائے جاتے ہیں مگر اس تعلق کو ایسا نہیں سمجھنا چاہیے کہ جیسے زمین کا ہر ایک جاندار اپنی اندر جان رکھتا بلکہ ان نفوس طیبہ کو بوجہ مناسبت اپنی نورانیت اور روشنی کے جو روحانی طور پر انہیں حاصل ہے روشن ستاروں کے ساتھ ایک مجہول الکنہ تعلق ہے اور ایسا شدید تعلق ہے کہ اگر ان نفوس طیبہ کا ان ستاروں سے الگ ہونا فرض کر لیا جائے تو پھر ان کے تمام قوی میں فرق پڑ جائے گا انہیں نفوس کے پوشیدہ ہاتھ کے زور سے تمام ستارے اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اور جیسے خدا تعالیٰ تمام عالم کے لئے بطور جان کے ہے ایسا ہی (مگر اس جگہ تشبیہ کامل مراد نہیں) وہ نفوس نورانیہ کو اکب اور سیارات کے لئے جان کا ہی حکم رکھتے ہیں اور ان کے جدا ہو جانے سے اسکی حالت وجود یہ میں بکلی فساد راہ پا جانا لازمی و ضروری امر ہے اور اجتناب کسی لئے اس امر میں اختلاف نہیں کیا کہ جس قدر آسمانوں میں سیارات اور کوکب پائے جاتے ہیں وہ کائنات الارض کی تکمیل و تربیت کے لئے ہمیشہ کام میں مشغول ہیں غرض یہ نہایت عجیب ہوئی اور ثبوت کے چرخ پر چڑھی ہوئی صداقت ہے کہ تمام نباتات اور جمادات اور حیوانات پر آسمانی کوکب کا دن رات اثر پڑ رہا ہے اور جاہل سے جاہل ایک دمقان بھی اس قدر توفور و تقین رکھتا ہوگا کہ چاند کی روشنی پہلون کے موٹا کرنے کے لئے اور سورج کی دھوپ اُنکو پکانے اور شیریں کرنے کے لئے اور بعض ہوائیں بکثرت پہل آنے کے لئے بلاشبہ موثر ہیں اب جبکہ ظاہری سلسلہ کائنات کا ان چیزوں کی تاثیرات متحدہ سے تربیت پارہا ہے تو اس میں کیا شک ہو سکتا ہے کہ باطنی سلسلہ پر بھی باذنہ تعالیٰ وہ نفوس نورانیہ اثر کر رہی ہیں جبکہ اجرام نورانیہ سے ایسا شدید تعلق ہے کہ جیسے جان کو جسم سے ہوتا ہے۔

اب اس کے بعد یہ بھی جاننا چاہیے کہ اگرچہ بظاہر یہ بات نہایت دور از ادب معلوم ہوتی ہے کہ خدا نے تعالیٰ اور اس کے مقدس نبیوں میں افاضہ انوار وحی کے لئے کوئی اور واسطہ تجویز کیا جائے لیکن ذرا غور کرنے سے بخوبی سمجھ آ جائیگا کہ اس میں کوئی سوئے ادب کی بات نہیں بلکہ سراسر خدا تعالیٰ کے اس عام قانون قدرت کے مطابق ہی

جو دنیا کے ہر ایک چیز کے متعلق کہنے کہنے طور پر شہود و محسوس ہو رہا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بھی اپنے ظاہری جسم اور ظاہری قوسی کے لحاظ سے انھیں وسایط کے محتاج ہیں اور یہی کی آئینہ بھی گو کیسی ہی نوزانی اور بابرکت آئینہ ہے مگر پھر بھی عوام کی آنکھوں کی طرح آفتاب یا آس کے کسی دوسرے قائم مقام کے بغیر کچھ دیکھ نہیں سکتے اور بغیر توسط ہوا کے کچھ سن نہیں سکتے لہذا یہ بات بھی ضروری طور پر مانتی پڑتی ہے کہ بنی کی روحانیت پر بھی ان سیارات کے نفوس نورانیہ کا ضرور اثر پڑتا ہوگا بلکہ سب سے زیادہ اثر پڑتا ہوگا کیونکہ حسب قدر استعداد صافی اور کامل ہوتی ہے اس قدر اثر بھی صافی اور کامل طور پر پڑتا ہے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ یہ سیارات اور کواکب اپنے اپنے قالبوں کے متعلق ایک ایک روح رکھتے ہیں جنکو نفوس کواکب سے بھی نامزد کر سکتے ہیں اور جیسے کواکب اور سیاروں میں باعتبار ان کے قالبوں کے طرح طرح کے خواص پائے جاتے ہیں جو زمین کی ہر ایک چیز پر حسب استعداد اثر ڈال رہی ہیں ایسا ہی ان کے نفوس نورانیہ میں بھی انواع اقسام کے خواص ہیں جو باذن حکیم مطلق کائنات الارض کے باطن پر اپنا اثر ڈالتے ہیں اور یہی نفوس نورانیہ کامل بندوں پر شکل جسمانی مشکل ہو کر ظاہر ہو جاتے ہیں اور بشری صورت سے مستمل ہو کر دکھائی دیتے ہیں۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ یہ تقریر از قبیل خطابیات نہیں بلکہ یہ وہ صداقت ہے جو طالب حق اور حکمت کو ضرور ماننی پڑے گی۔ کیونکہ جب ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ضرور کائنات الارض کی تربیت اجرام سماویہ کی طرف سے ہو رہی ہے اور جہاں تک ہم بطور استقرار اجسام ارضیہ پر نظر ڈالتے ہیں اس تربیت کے آثار ہر ایک جسم پر خواہ وہ نباتات میں سے ہے خواہ جمادات میں سے خواہ حیوانات میں سے ہے بدیہی طور پر ہمیں دکھائی دیتے ہیں پس اس صریح تجربہ کے ذریعہ سے ہم اس بات کے ماننے کی لئے بھی مجبور ہیں کہ روحانی کمالات اور دل اور دماغ کی روشنی کا سلسلہ بھی جہاں تک ترقی کرتا ہے بلاشبہ ان نفوس نورانیہ کا اس میں بھی دخل ہے اس دخل کی رو سے شریعت غرافی استعارہ کے طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں ملائک کا واسطہ ہونا ایک ضروری امر ظاہر فرمایا ہے جس پر ایمان لانا ضروریات دین میں سے گردانا گیا ہے جن لوگوں نے اپنی نہایت مکر وہ نادانی سے اس الہی فلسفہ کو نہیں سمجھا جیسے آریہ مذہب والے یا برہمن مذہب والے انہوں نے جلدی سے باطل اپنی بیوجہ سبیل اور بعض

کے جو ان کو لون میں بھرا ہوا ہے تعلیم و تقانی پر یہ اعتراض جڑو پاکہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں میں ملائک کا واسطہ ضروری ٹھہراتا ہے اور اس بات کو نہ سمجھا اور نہ خیال کیا کہ خدا تعالیٰ کا عام قانون تربیت جو زمین پر پایا جاتا ہے اسی قاعدہ پر مبنی ہے ہندوؤں کے رشی جن پر بقول ہندوؤں کے چاروں ویدنازل ہوئے کیا وہ اپنی جسمانی قوی کے ٹھیک ٹھیک طور پر قائم رہنے میں تاثرات اجرام سماویہ کے محتاج نہیں تھے کیا وہ بغیر آفتاب کی روشنی کے صرف آنہوں کی روشنی سے دیکھنے کا کام لے سکتے تھے یا بغیر ہوا کے ذریعہ کے کسی آواز کو سن سکتے تھے تو اس کا جواب بدیہی طور پر ہی ہو گا کہ ہرگز نہیں بلکہ وہ بھی اجرام سماویہ کی تربیت اور تکمیل کے بہت محتاج تھے ہندوؤں کے ویدوں نے ان ملائک کے بارے میں کہا ان انکار کیا ہے بلکہ انہوں نے تو ان وسایط کے ماننے اور قابل قدر جاننے میں بہت ہی غلط کیا ہے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے درجہ سے انکا درجہ برابر ٹھہرا دیا ہے ایک رگ وید پر ہی نظر ڈال کر دیکھو کہ کس قدر اُسین اجرام سماویہ اور عناصر کی پرستش موجود ہے اور کیسی اُنکی استادت اور ہامیج اور ثنا میں ورفون کے مدق سیاہ کر دیئے ہیں اور کس عاجزی اور گڑگڑانے سے ان سے دعائیں مانگی گئی ہیں جو قبول ہی نہیں ہوئیں مگر شریعت و تقانی میں تو ایسا نہیں کیا بلکہ ان نفوس نورانیہ کو جو اجرام سماویہ سے یا عناصر یا دُخانات سے ایسا تعلق رکھتے ہیں جیسے جان کا جسم سے تعلق ہوتا ہے صرف ملائک یا جنات کے نام سے موسوم کیا ہے اور ان نورانی فرشتوں کو جو نورانی ستاروں اور سیاروں پر اپنا مقام رکھتے ہیں اپنی ذات پاک میں اور اپنے رسولوں میں ایسے طور کا واسطہ نہیں ٹھہرایا جس کے روی ان فرشتوں کو با اقتدار یا با اختیار مان لیا جاوے بلکہ اُنکو اپنی نسبت ایسا ظاہر فرمایا ہے کہ جیسے ایک بیان چیز ایک زندہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے جس سے وہ زندہ جس طور سے کام لینا چاہتا ہے اسی بنا پر بعض مقامات قرآن شریف میں اجسام کے ہر ایک ذرہ پر بھی ملائک کا نام اطلاق کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ سب ذرات اپنی رب کریم کی آواز سنتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو انکو حکم دیا گیا ہو مثلاً جو کچھ تغیرات بدن انسان میں مرض کی طرف یا صحت کی طرف ہوتے ہیں ان تمام مواد کا ذرہ ذرہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق آگے پیچھے قدم رکھتا ہے۔

اب ذرا آہکے کہول کر دیکھ لینا چاہیے کہ اس قسم کی وسایط کے ماننے میں جو قرآن شریف میں قرار دیئے گئے ہیں کونسا مشرک لازم آتا ہے اور خدا تعالیٰ کی شان قدر

میں کو بسا فرق آجاتا ہے بلکہ یہ تو اسرار معرفت و وقایق حکمت کی وہ باتیں ہیں جو قانون قدرت کے صفحہ صفحہ میں لکھی ہوئی نظر آتی ہیں اور بغیر اس انتظام کے ماننے کے خدا تعالیٰ کی قدرت کا ثبوت ہی نہیں ہو سکتی اور نہ اسکی خدائی چل سکتی ہے پہلا جب تک ذرہ ذرہ اس کا فرشتہ بنکر اس کی اطاعت میں نہ لگا ہوا ہو تب تک یہ سارا کارخانہ اسکی مرضی کے موافق کیونکر چل سکتا ہے ؟ کوئی ہمیں سمجھا تو سہی اور نیز اگر ملائیکہ سماویہ کے نظام روحانی سے خدا تعالیٰ کی قادرانہ شان پر کچھ وہمہ لگ سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں ملائیکہ کے نظام جسمانی کے ماننے سے کہ جو نظام روحانی کا بعینہ ہر رنگ و ہر شکل ہی خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر کوئی وہمہ نہیں لگ سکتا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آریہ وغیرہ ہمارے مخالفوں نے فرط نابینائی سے ایسے ایسے بیجا اعتراضات کر دیئے ہیں جن کی اصل بنا بہت سے مشرکانہ حواشی کے ساتھ ان کے طہرین ہی موجود ہی اور ناحق بوجہ اپنی بے بصیرتی کے ایک عمدہ صداقت کو لطالت کی شکل میں سمجھ لیا ہے۔

چشم بداندیش کہ برکنڈہ بادہ غیب نماید ہنرش و نظر۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اسلامی شریعت کے رو سے خواص ملائیکہ کا درجہ خواص بشر سے کچھ زیادہ نہیں بلکہ خواص الناس خواص الملائیکہ سے افضل ہیں اور نظام جسمانی یا نظام روحانی میں انکا وسیط قرار پانا ان کی فضیلت پر دلائل نہیں کرتا بلکہ قرآن شریف کی ہدایت کے رو سے وہ خدام کی طرح اس کام میں لگائے گئے ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ *وسخا لکم الشمس والقمر یعزوہ خدا جس نے سورج اور چاند کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے۔ مثلاً دیکھنا چاہیے کہ ایک چٹھی رسا ایک شاہ وقت کی طرف سے اس کے کسی ملک کے صوبہ یا گورنر کی خدمت میں پہنچا دیتا ہے تو کیا اس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ وہ چٹھی رساں جو اس بادشاہ اور گورنر جنرل میں واسطہ ہو گورنر جنرل سے افضل ہے سو خوب سمجھ لو یہی مثال ان وسیط کی ہے جو نظام جسمانی اور روحانی میں قادر مطلق کے ارادوں کو زمین پر پہنچاتے اور انکی انجام دہی میں مصروف ہیں اللہ جل شانہ قرآن شریف کے کئی مقامات میں تبصریح ظاہر فرماتا ہے کہ جو کچھ زمین و آسمان میں پیدا کیا گیا ہے وہ تمام چیزیں اپنے وجود میں انسان کی طفیلی ہیں یعنی محض انسان کے فائدہ کی لئے پیدا کی گئی ہیں اور انسان اپنے مرتبہ میں سب سے اعلیٰ و ارفع اور سب کا مخدوم ہے جس کی خدمت میں یہ چیزیں لگا دی گئی ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ *وسخا لکم الشمس والقمر البین وسخا لکم الیل والنہار واسلم من کل ماسا الممۃ وان تعدوا نعمت اللہ لا**

مخصوصا۔ ہوا الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً۔ اور سحر کیا تمہاری لئے سورج اور چاند کو جو ہمیشہ پہرنے والے ہیں یعنی جو باعتبار اپنی کیفیات اور خاصیت کے ایک حالت پر نہیں رہتے مثلاً جو ریع کے ہینوں میں آفتاب کی خاصیت ہوتی ہے وہ خزان کے ہینوں میں ہرگز نہیں ہوتی پس اس طور سے سورج اور چاند ہمیشہ پہرتے رہتے ہیں کبھی انکی گردش سحر بہار کا موسم آجاتا ہے اور کبھی خزان کا اور کبھی ایک خاص قسم کی خاصیتیں ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں اور کبھی اُس کے مخالف خواص ظاہر ہوتے ہیں پھر آگے فرمایا کہ سحر کیا تمہارے لئے رات اور دن کو اور دیا تمکو ہر ایک چیز میں سے وہ تمام سامان جسکو تمہاری فطرت نے مانگا یعنی ان سب چیزوں کو دیا جن کے تم محتاج تھے اور اگر تم خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو گنتا چاہو تو ہرگز گن نہیں سکو گے وہ ہی خدا ہے جس نے جو کچھ زمین پر ہے تمہارے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے اور ہر ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ یعنی انسان کو ہم نے نہایت درجہ کے اعتدال پر پیدا کیا ہے اور وہ اس صفت اعتدال میں تمام مخلوقات سے احسن و افضل ہے اور ہر ایک اور مقام میں فرماتا ہے کہ انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فا بین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوماً جهولاً۔

یعنی ہننے اپنی امانت کو جس کو مراد عشق و محبت الہی اور مورد امتلا ہو کہ ہر پوری اطاعت کرتا ہے آسمان کے تمام فرشتوں اور زمین کی تمام مخلوقات اور پہاڑوں پر پیش کیا جو بظاہر قوی ہیکل چھین تھین سوان سب چیزوں نے اُس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اُس کی عظمت کو دیکھ کر ڈر گئیں مگر انسان نے اُسکو اٹھالیا کیونکہ انسان میں یہ دو خوبیاں تھیں ایک یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس پر ظلم کر سکتا تھا۔ دوسری یہ خوبی کہ وہ خدا تعالیٰ کی محبت میں اس درجہ تک پہنچ سکتا تھا جو غیر اللہ کو یکلی فراموش کر دے پھر ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ واذ قال ربك للملائكة انی خالق بشوا من طین فاذا سويته و نفخت فیہ من روحي فقعوا له ساجدين۔ فسجد الملائكة کلہم اجمعون الا ابلیس۔ یعنی یاد کرو وہ وقت کہ جب تیرے خدا نے جسکا تو منظر اتم ہے فرشتوں کو کہا کہ میں مٹی سے ایک انسان پیدا کر نیوالا ہوں سو جب میں اُسکو کمال اعتدال پر پیدا کروں اور اپنی روح میں اس میں پھونک دوں تو تم اُس کے لئے سجدہ میں کرو یعنی کمال انحراف

سے اسکی خدمت میں مشغول ہو جاؤ اور ایسی خدمت گزار مین جہک جاؤ کہ گویا تم اُسے سجدہ کر رہے ہو پس سارے کے سارے فرشتے انسان مکمل کے آگے سجدہ مین گر پڑے مگر شیطان جو اس سعادت سے محروم رہ گیا۔ جانتا چاہیے کہ یہ سجدہ کا حکم اُس وقت سے متعلق نہیں ہے کہ جب حضرت آدم پیدا کئے گئے بلکہ یہ علیحدہ ملائیکہ کو حکم کیا گیا کہ جب کوئی انسان اپنے حقیقی انسانیت کے مرتبہ تک پہنچے۔ اور اعتدال انسانی اوسکو حاصل ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی روح اُس میں سکونت اختیار کرے تو تم اس کامل کے آگے سجدہ مین گرا کر و بیچو آسمانی انوار کے ساتھ اُس پر اُترو اور اُس پر صلوة بھیجو سو یہ اُس قدیم قانون کی طرف اشارہ ہے جو خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کے ساتھ ہمیشہ جاری رکھتا ہے جب کوئی شخص کسی زمانہ میں اعتدال روحانی حاصل کر لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کی روح اُس کے اندر آباد ہوتی ہے یعنی اپنے نفس سے فانی ہو کر بقا باللہ کا درجہ حاصل کرتا ہے تو ایک خاص طور پر نزول ملائکہ کا اُس پر شروع ہو جاتا ہے اگرچہ سلوک کی ابتدائی حالات مین بھی ملائیکہ اس کے نفرت اور خدمت مین لگے ہوئے ہوتے ہیں لیکن یہ نزول ایسا اتم اور اکمل ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم رکھتا ہے اور سجدہ کے لفظ سے خدا تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا کہ ملائکہ انسان کامل سے افضل نہیں ہیں بلکہ وہ شاہی خادموں کی طرح سجدات تعظیم انسان کامل کے آگے بجا لائے ہیں ایسا ہی خدا تعالیٰ نے سورۃ الشمس مین نہایت لطیف اشارات و استعارات مین انسان کامل کے مرتبہ کو زمین آسمان کے تمام باشندوں سے اعلیٰ و برتر بیان فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ وَالشَّمْسُ وَضَرَانَا وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا وَالتَّهَارُ إِذَا جَلَّهَا وَاللَّيْلُ إِذَا بَغِشَهَا وَالسَّمَاءُ وَمَا بَنَاهَا وَالْأَرْضُ وَمَا طَحَّهَا وَنَفْسٌ مَّا سَوَّيْنَاهَا فَالْهَمُّهَا فُجُورُهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا كَذِبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا فَكَذَّبُوهُ فَفَقَرُوا قَدْ مَدَّ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ دُبُورَهُمْ فَسَوْفَ يَنُوحُوا وَلَا يَخَافُ عَقِبَهُمَا۔ یعنی قسم ہے سورج کی اور اسکی دھوپ کی اور قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کی پیروی کرے اور قسم ہے دن کی جب اپنی روشنی کو ظاہر کرے اور قسم ہے اُس رات کی جو بالکل تاریک ہو اور قسم ہے زمین کی اور اُسکی جس نے اُسے بچھایا اور قسم ہے انسان کو نفس کی اور اُسکی جس نے اُسے اعتدال کامل اور وضع استقامت کی جمیع کمالات متفرقہ عنایت کئے اور کسی کمال سے محروم نہ رکھا بلکہ ب جمیع کمالات متفرقہ جو پہلی قسم کی نیچے ذکر کئے ہیں اُس میں جمع کر دی اس طرح پر کہ انسان کامل کا نفس

آفتاب اور اُسکی دھوپ کا بھی کمال اپنی اندر رکھتا ہے اور چاند کے خواص بھی اُس میں پائے جاتے ہیں کہ وہ اکتساب فیض دوسرے سے کر سکتا ہے اور ایک نور سے بطور استفادہ اپنے اندر بھی نور لے سکتا ہے اور اُس میں روز روشن کے بھی خواص موجود ہیں کہ جیسے محنت اور مزدوری کرنے والے لوگ دن کی روشنی میں کماتے ہیں اور بار کو انجام دے سکتے ہیں ایسا ہی حق کے طالب اور سلوک کی راہوں کو اختیار کرنے والے انسان کامل کے نمونہ پر چل کر بہت آسانی اور صفائی سے اپنی بہات دینیہ کو انجام دیتے ہیں سو وہ دن کی طرح اپنے تئیں بجاں صفائی ظاہر کر سکتا ہے اور ساری خاصیتیں دن کی اپنے اندر رکھتا ہے ۔

انہی ساری بات سے ہی انسان کامل کو ایک مشابہت ہے کہ وہ باوجود غایت درجہ کے انقطاع اور بتل کے جو اُس کو بجانب اللہ حاصل ہے حکمت و مصلحت الہی اپنی نفس کی ظلمانی خواہشوں کی طرف بھی کبھی کبھی متوجہ ہو جاتا ہے یعنی جو جو نفس کے حقوق انسان پر رکھے گئے ہیں جو بظاہر نورانیت کے مخالف اور مزاحم معلوم ہوتے ہیں جیسے کہانا پینا سونا اور بیوی کے حقوق اور اگر نایا بچوں کی طرف التفات کرنا یہ سب حقوق بجا لانا ہے اور کچھ تھوڑی دیر کے لئے اس تاریکی کو اپنے لئے پسند کر لیتا ہے نہ اسوجہ سے کہ اُسکو حقیقی طور پر تاریکی کی طرف میلان ہے بلکہ اس وجہ سے کہ خداوند علیم و حکیم اُسکو اس طرف توجہ بخشتا ہے تا روحانی نخب مشقت سے کس قدر آرام پا کر پھر ان مجاہدات شاقہ کے اٹھانے کے لئے تیار ہو جائے جیسا کہ کسی کاشع ہے۔

چشم شبہا ز کاروانان شکار : از بہر کشادن ست گرد و ختہ اند :
 سو اسی طرح یہ کامل لوگ جب غایت درجہ کی کوفت خاطر اور گرد از ش اور ہم و غم کے غلبہ

سورج حکمت الہی سات سو تیس تعینات میں اپنے تئیں تشکل کر کے دنیا پر مختلف قسموں کی تاثیرات ڈالتا ہے اور ہر ایک تشکل کی وجہ سے ایک خاص نام اُس کو حاصل ہے اور کثرتِ دو شنبہ سے شنبہ وغیرہ درحقیقت باعتبار خاص خاص تعینات و لوازم و تاثیرات کے سورج کے ہی نام ہیں جب یہ لوازم خاصہ بولنے کے وقت ذہن میں ملحوظ نہ رہے جائیں اور صرف مجرد اور اطلاقی حالت میں نام لیا جاتا ہے تو اُس وقت سورج کہیں گے لیکن جب اسی سورج کے خاص خاص لوازم اور تاثیرات اور مقامات ذہن میں ملحوظ رکھ کر بولیں گے تو اُسکو کبھی

توضیح مرام

کے وقت کسی قدر حظوظ نفسانیہ سے تمتع حاصل کر لیتے ہیں تو پھر جسم ناتوان انکار روح کی رفعت کے لئے از سر نو قوی اور توانا ہو جاتا ہے اور اس تہوڑی سی محبوبیت کی وجہ سے بڑے بڑے مراحل نورانی طے کر جاتا ہے اور ماسوا اس کے نفس انسان میں رات کے اور دوسرے خواص دقیقہ ہی پائے جاتے ہیں جنکو علم ہیئت اور نجوم اور طبعی کی باریک نظر نے دریافت کیا ہے ایسا ہی انسان کامل کے نفس کو آسمان سے بھی مشابہت ہے مثلاً جیسے آسمان کا پول اس قدر وسیع اور کشادہ ہے کہ کسی چیز سے پر نہیں ہو سکتا ایسا ہی اُن بزرگوں کا نفس ناطقہ غایت درجہ کی وسعت میں اپنے اندر رکھتا ہے اور باوجود ہزار ہا معارف و حقائق کے حاصل کرنے کے پھر بھی ماعرفنا کا لغزہ مارتا ہی رہتا ہے اور جیسے آسمان کا پول روشن ستاروں سے پر ہے ایسا ہی نہایت روشن قویٰ آسمین بھی رکھے گئے ہیں کہ جو آسمان کے ستاروں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایسا ہی انسان کامل کے نفس کو زمین سے بھی کامل مشابہت ہے یعنی جیسا کہ عمدہ اور اول درجہ کی زمین یہ خاصیت رکھتی ہے کہ جب اُس میں تخم ریزی کی جائے اور پھر خوب قلبہ رانی اور آبپاشی ہو اور تمام مراتب محنت کشا و رزی کے اُس پر پورے کر دیئے جائیں تو وہ دوسری زمینوں کی نسبت ہزار گونہ زیادہ پہل لاتی ہے اور نیز اُس کا پہل بہ نسبت اور پہلوں کے نہایت لطیف اور شیرین و لذیذ اور اپنی کمیت و کیفیت میں انتہائی درجہ تک بڑا ہوا ہوتا ہے اسی طرح انسان کامل کے نفس کا حال ہے کہ احکام الہی کی تخم ریزی سے عجیب سرسبزی لیکر اُس کے اعمال صالحہ کی پودہ نکلتے ہیں اور ایسے عمدہ اور غایت درجہ کے لذیذ اُس کے پہل ہوتے ہیں کہ ہر ایک دیکھنے والے کو خدا تعالیٰ کی پاک قدرت یاد آکر سبحان اللہ سبحان اللہ کہنا پڑتا ہے سو یہ آیت و نفس و ماسوا تھا صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ انسان کامل اپنی معنی اور کیفیت کی رو سے ایک عالم ہے اور عالم کبیر کے تمام شیون و صفات و خواص

۱ دن کہیں گے اور کہیں رات کہیں اسکا نام اتوار رکھیں گے اور کہیں پیر اور کہیں سالون اور
۲ کہیں پہا دون کہیں اسوج کہیں کانک غرض یہ سب سورج کے ہی نام ہیں اور نفس انسان
۳ بھی باعتبار مختلف تعینات اور مختلف اوقات و مقامات و حالات مختلف ناموں سے موسوم ہو جاتا ہے کہیں
۴ نفس زکیہ کہلاتا ہے اور کہیں آثارہ کہیں لوامر اور کہیں مطمئن غرض اُس کے بھی اتنے ہی نام

اجمالی طور پر اپنے اندر جمع رکھتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ نے شمس کی صفات سے شروع کر کے زمین تک جو ہماری سکونت کی جگہ ہے سب چیزوں کے خواص اشارہ کے طور پر بیان فرمائے یعنی بطور قسموں کے انکا ذکر کیا بعد اس کے انسان کامل کے نفس کا ذکر فرمایا تا معلوم ہو کہ انسان کامل کا نفس ان تمام کمالات متفرقہ کا جامع ہے جو پہلی چیزوں میں جنکی قسمیں کہا گئیں الگ الگ طور پر پائی جاتی ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق چیزوں کے جو اس کے وجود کے مقابل پر بے بنیاد و بیچ بن کیوں قسمیں بھائیڑ تو اسکا جواب یہ ہے کہ تمام قرآن شریف میں یہ ایک عام عادت و سنت الہی ہے کہ وہ بعض نظری امور کے اثبات و حقائق کے لئے ایسے امور کا حوالہ دیتا ہے جو اپنے خواص کا عام طور پر بتن اور گہلا گہلا اور بدیہی ثبوت رکھتے ہیں جیسا کہ اُس میں کسی کو یہی شک نہیں ہو سکتا کہ سورج موجود ہے اور اُس کی دھوپ بھی ہے اور چاند موجود ہے اور وہ نور آفتاب سے حاصل کرتا ہے اور روز روشن بھی سب کو نظر آتا ہے اور رات بھی سب کو دکھائی دیتی ہے اور آسمان کا پول بھی سب کی نظر کے سامنے ہے اور زمین تو خود انسانوں کی سکونت کی جگہ ہے اب چونکہ یہ تمام چیزیں اپنا اپنا گہلا گہلا وجود اور گہلے گہلے خواص رکھتی ہیں جنہیں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا اور نفس انسان کا ایسی چھپی ہوئی اور نظری چیز ہے کہ خود اسکو وجود میں ہی صد ہا جگہ سے برپا ہو رہی ہیں بہت سے فرقے ایسے ہیں کہ وہ اس بات کو مانتے ہی نہیں کہ نفس یعنی روح انسان بھی کوئی مستقل اور قائم بالذات چیز ہے جو بدن کی مفارقت کے بعد ہمیشہ کے لئے قائم رہ سکتی اور جو بعض لوگ نفس کے وجود اور اسکی بقا اور ثبات کے قائل ہیں وہ بھی اسکی باطنی استعدادات کا وہ قدر نہیں کرتے جو کرنا چاہیے تھا بلکہ بعض تو اتنا ہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم صرف اسی غرض کے لئے دنیا میں آئے ہیں کہ حیوانا کی طرح کہانے پیئے اور حظوظ نفسانی میں عمر بسر کریں وہ اس بات کو جانتے بھی نہیں کہ نفس انسانی کس قدر اعلیٰ درجہ کی طاقتیں اور قوتیں اپنے اندر رکھتا ہے اگر وہ کسب کمالات کی طرف متوجہ ہو تو کیسے تھوڑے ہی عرصہ میں تمام عالم کے متفرق کمالات و فضائل و انواع پر ایک دائرہ کی طرح محیط ہو سکتا ہے سو اللہ جل شانہ نے اس سورہ مبارکہ میں

بقیہ حاشیہ: ہیں جو قدر سورج کے مگر بخوف طول اسقدر بیان کرنا کافی سمجھا گیا۔ مندر

نفس انسان اور پھر اُس کے بے نہایت خواص فاضلہ کا ثبوت دینا چاہا ہے پس اول اُس نے خیالات کو رجوع دلانے کے لئے سمس اور قمر وغیرہ چیزوں کے متفرق خواص بیان کر کے پھر نفس انسان کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ جامع اُن تمام کمالات متفرقہ کا ہے اور جس حالت میں نفس انسان میں ایسے اعلیٰ درجہ کے کمالات و خاصیات بہ تمام ہا موجود ہیں جو اجرام سماویہ اور ارضیہ میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں تو کمال درجہ کی نادانی ہوگی کہ اسی عظیم الشان اور مجتمع کمالات متفرقہ کی نسبت یہ وہم کیا جائے کہ وہ کچھ بھی چیز نہیں جو متو کے بعد باقی رہ سکے یعنی جبکہ یہ تمام خواص جو ان مشہور و محسوس چیزوں میں ہیں جن کا مستقل وجود ماننے میں تمہیں کچھ کلام نہیں یہاں تک کہ ایک اندھا بھی دھوپ کا احساس کر کے آفتاب کے وجود کا یقین رکھتا ہے نفس انسان میں سب کے سب یکجائی طور پر موجود ہیں تو نفس کے مستقل اور قائم بالذات وجود میں تمہیں کیا کلام باقی ہو کیا ممکن ہو کہ جو چیز اپنی ذات میں کچھ ہی نہیں وہ تمام موجود بالذات چیزوں کے خواص جمع رکھتے ہو اور اس جگہ قسم کہانی کی طرز کو اس وجہ سے اللہ جل شانہ نے پسند کیا ہے کہ قسم قائم مقام شہادت کے ہوتی ہے ایسی وجہ کی حکام مجازی ہی جب دوسرے گواہ موجود نہ ہوں تو قسم پر انحصار کر دیتے ہیں اور ایک مرتبہ کی قسم سے وہ فائدہ اٹھا لیتے ہیں جو کم سے کم دو گواہوں سے اٹھا سکتے ہیں سو چونکہ عقلاً و عرفاً و قانوناً و شرعاً قسم شاید کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے لہذا اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے اس جگہ شاید کے طور پر اسکو قرار دیدیا ہے پس خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ قسم کی سوچ کی اور اُسکی دھوپ کی درحقیقت اپنی مرادی معنی یہ کہتا ہے کہ سوچ اور اسکی دھوپ یہ دونوں نفس انسان کے موجود بالذات اور قائم بالذات ہونیکے شاید حال ہیں کیونکہ سوچ میں جو خواص گرمی اور روشنی وغیرہ پائے جاتے ہیں خواص مسہ شئی زاید انسان کے نفس میں بھی موجود ہیں مسکاشفات کی روشنی اور توجہ کی گرمی جو نفسوس کاملہ میں پائی جاتی ہے اُس کے عجائبات سوچ کی گرمی اور روشنی سے کہیں بڑھکر ہیں سوچ کہ سوچ موجود بالذات ہے تو جو خواص میں اس کا ہم مثل اور ہم پلہ ہیں بلکہ اس سے بڑھکر یعنی نفس انسان کیونکہ موجود بالذات نہ ہوگا اسی طرح خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ قسم ہے چاند کی جب وہ سوچ کی پیروی کرے۔ اس کے مرادی معنی یہ ہیں کہ چاند اپنی اس خاصیت کے ساتھ کہ وہ سوچ سے بطور استفادہ نور حاصل کرتا ہے نفس انسان کے موجود بالذات اور قائم بالذات ہونے پر شاید حال ہے کیونکہ جس طرح چاند سوچ

سے اکتساب نور کرتا ہے اسی طرح نفس انسان کا جو مستعد اور طالب حق ہے ایک دوسرے انسان کامل کی پیروی کر کے اس کے نور میں سے لے لیتا ہے اور اُس کے باطنی فیض سے فیضیاب ہو جاتا ہے بلکہ چاند سے بڑھ کر استفادہ نور کرتا ہے کیونکہ چاند تو نور حاصل کر کے پھر چھوڑ بھی دیتا ہے مگر یہ کبھی نہیں چھوڑتا پس جبکہ استفادہ نور میں یہ چاند کا شریک غالب ہے اور دوسری تمام صفات اور خواص چاند کے اپنے اندر رکھتا ہے تو پھر کیا وجہ کہ چاند کو تو موجود بالذات اور قائم بالذات مانا جاوے مگر نفس انسان کے مستقل طور پر موجود ہونے سے بکلی انکار کر دیا جائے عرض اسی طرح خدا تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو جن کا ذکر نفس انسان کی پہلے قسم کہا کر کیا گیا ہے اپنے خواص کے رو سے شواہد اور ناطق گواہ قرار دیکر اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ نفس انسان واقعی طور پر موجود ہے اور اسی طرح ہر ایک جگہ جو قرآن شریف میں بعض بعض چیزوں کی قسمیں کہائی ہیں ان قسموں سے ہر جگہ یہی مدعا اور مقصد ہے کہ تا امر بدیہہ کو اسرار خفیہ کے لئے جو ان کے ہمزنگ ہیں بطور شواہد کے پیش کیا جائے لیکن اس جگہ یہ سوال ہو گا کہ جو نفس انسان کے موجود بالذات ہونے کے لئے قسموں کے پیرایہ میں شواہد پیش کئے گئے ہیں ان شواہد کے خواص بدیہہ طور پر نفس انسان میں کہاں پائے جاتے ہیں اور اس کا ثبوت کیا ہے کہ پائے جاتے ہیں۔ اس وہم کے رفع کرنے کے لئے اللہ جل شانہ اس کے بعد فرماتا ہے۔ فالہم ہا فخور ہا و تقوہا قد افلح من ترکھا و قد خاب من دسہا یعنی خدا تعالیٰ نے نفس انسان کو پیدا کر کے ظلمت اور نورانیت اور ویرانی اور سرسبزی کی دونوں راہیں اُس کے لئے کھول دی ہیں جو شخص ظلمت اور فحور یعنی بدکاری کی راہ میں اختیار کرے تو اسکو ان راہوں میں ترقی کے کمال درجہ تک پہنچایا جاتا ہے یہاں تک کہ اندھیری رات سے اُسکی سخت مشابہت ہو جاتی ہے اور بجز معصیت اور بدکاری اور ظلمت خیالات کے اور کسی چیز میں اسکو مزہ نہیں آتا ایسے ہی ہم صحبت اسکو اچھے معلوم ہوتے ہیں اور ایسے ہی شغل اُس کے جی کو خوش کرتے ہیں اور اُسکی بطبعیت کے مناسب حال بدکاری کے الہامات اسکو ہوتے رہتے ہیں یعنی ہر وقت بدچلنی اور بدچاشنی کا ہی خیال آتا اسکو سوچتی ہیں کبھی اچھے خیالات آتے ہیں پیدایں نہیں ہوتے اور اگر پرہیزگاری کا نورانی راستہ اختیار کرتا ہے تو اُس نور کو مدد دینے والے الہام اسکو ہوتے رہتے ہیں یعنی خدا تعالیٰ اُس کے دلی نور کو جو ختم کی طرح اُس کے دل میں موجود ہے اپنے الہامات خاصہ سے کمال تک پہنچا دیتا ہے اور اُسکے روشن مکاشفات کی آگ کو فروغ دیتا ہے تب وہ اپنے چمکتے ہوئے نور کو دیکھ کر اور

اُس کے افاضہ اور استغاضہ کی خاصیت کو آزمائش پرے یقین سے سمجھ لیتا ہے کہ آفتاب اور
ماہتاب کی نورانیت مجہد میں ہی موجود ہے اور آسمان کے وسیع اور بلند اور پرہ کو اکب ہونے کے
موافق میرے سینہ میں انشراح صدر اور عالی ہمتی اور دل اور دماغ میں ذخیرہ روشن قوی
کا موجود ہے جو ستاروں کی طرح چمک رہی ہیں تب اُسے اس بات کی سمجھنے کیلئے اور کسی خارجی ثبوت کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہوتی
بلکہ اس کی اندر سے ہی ایک کامل ثبوت کا چشمہ ہر وقت جوش رہتا ہے اور اس کے پیاسے دل کو سیراب کرتا رہتا
ہے اور اگر یہ سوال پیش ہو کر سلوک کے طور پر کیونکر ان نفسانی خواص کا مشاہدہ ہو سکے
تو اس کے جواب میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے **قُلْ اَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهُ وَ قُلْ خَابَ مَنْ**
دَسَّاهُ یعنی جس شخص نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور بکلی رزائل اور اخلاق ذمیمہ سے دست بردار
ہو کر خدا تعالیٰ کے حکموں کے نیچے اپنے تئیں ڈال دیا وہ اُس مراد کو پہنچے گا اور اپنا نفس اُس کو
عالم صغیر کی طرح کمالات متفرقہ کا مجمع نظر آئے گا لیکن جس شخص نے اپنے نفس کو پاک نہیں کیا
بلکہ بجا خواہشوں کے اندر گھاڑ دیا وہ اس مطلب کے پانے سے نامراد رہے گا حاصل اس تقریر کا
یہ ہے کہ بلاشبہ نفس انسان میں وہ متفرق کمالات موجود ہیں جو تمام عالم میں پائے جاتے ہیں
اور ان پر یقین لانے کے لئے یہ ایک سیدھی راہ ہے کہ انسان حسبِ نشانہ قانونِ الہی تزکیہ
نفس کی طرف متوجہ ہو کیونکہ تزکیہ نفس کی حالتیں نہ صرف علم الیقین بلکہ حق الیقین کے طور
پر ان کمالات مخفیہ کی سچائی کھل جائیگی پھر بعد اس کے اللہ جل شانہ ایک مثال کے طور پر نمود
کی قوم کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ انہوں نے بے باعث اپنے جبلی سرکشی کے اپنے وقت کے نبی کو
جھٹلایا اور اُس تکذیب کے لئے ایک بڑا بد بخت انہیں سے پیش قدم ہوا اُس وقت کے
رسول نے انہیں نصیحت کے طور پر کہا کہ **ناقتہ اللہ** یعنی خدا تعالیٰ کی اُٹھنی اور اُس کے پانی
پینے کی جگہ تعرض مت کرو۔ مگر انہوں نے نہ مانا اور اُٹھنی کے پانون کاٹے سو اس جرم کی شامت
سے اللہ تعالیٰ نے اُن پر موت کی مار ڈالی اور انہیں خاک سے ملا دیا اور خدا تعالیٰ نے اس بات
کی کچھ بھی پرواہ نہ کی کہ اُنکے مرنے کے بعد اُن کی بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں اور سبکیں عیال کا کیا
حال ہو گا یہ ایک نہایت لطیف مثال ہے جو خدا تعالیٰ نے انسان کے نفس کو ناقتہ اللہ سے
مشابہت دینے کے لئے اس جگہ لکھی ہے مطلب یہ ہے کہ انسان کا نفس بھی درحقیقت اسوعض
کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تا وہ ناقتہ اللہ کا کام دیوے اسکی فنا فی اللہ ہو نیکی حالتیں خدا تعالیٰ
اپنی پال بکلی کے ساتھ اُس پر سوار ہو جیسے کوئی اُٹھنی پر سوار ہوتا ہے سو نفس پرست لوگوں

کو جو حق سے موٹھ پھیر رہے ہیں تہدید اور انداز کے طور پر فرمایا کہ تم لوگ بھی قوم شہود کی طرح ناقصہ اللہ کا سقیّا یعنی اُس کے پانی پینے کی جگہ جو یاد الہی اور معارف الہی کا چشمہ ہے جس پر اس ناقصہ کی زندگی موقوف ہے اُس پر بند کر رہے ہو اور نہ صرف بند بلکہ اُس کے پیر کاٹنے کی فکر میں ہو تا وہ خدا کا کی راسخون پر چلنے سے بالکل رہ جائے سو اگر تم اپنی چیز مانگتے ہو تو زندگی کا پانی اُس پر بند مت کرو اور اپنی بے جا خواہشوں کے تیر و تیر سے اُس کے پیر مت کاٹو اگر تم ایسا کرو گے اور وہ ناقصہ جو خدا تعالیٰ کی سواری کے لئے تگ و دو می گئی ہے مجروح ہو کر مرجائیگی تو تم بالکل نکلے اور خشک لکڑی کی طرح منظور ہو کر کاٹ دیئے جاؤ گے اور پھر آگ میں ڈالے جاؤ گے اور تمہارے مرنے کے بعد خدا تعالیٰ تمہارے پس ماندوں پر ہرگز رحم نہیں کرے گا۔ بلکہ تمہاری معصیت اور بدکاری کا وبال انکھی بھی آگے آئیگا اور نہ صرف تم اپنے شامت اعمال سے مرو گے بلکہ اپنے عیال و اطفال کو بھی اسی تباہی میں ڈالو گے۔

ان آیات بینات سے صاف صاف ثابت ہو گیا کہ خداوند کریم نے انسان کو سب مخلوقات سے بہتر اور افضل بنایا۔ مے اور ملائیک اور کوکب اور عناصر وغیرہ جو کچھ انسان میں اور خدا تعالیٰ میں بطور وسائط کے دخیل ہو کر کام کر رہے ہیں وہ اُن کا درمیانی واسطہ ہونا انکی افضلیت پر دلالت نہیں کرتا اور وہ اپنے درمیانی ہونے کی وجہ سے انسان کو کوئی عزت نہیں بخشتے بلکہ خود انکو عزت حاصل ہوتی ہے کہ وہ ایسی شریف مخلوق کی خدمت میں لگا ئے گئے ہیں سو درحقیقت وہ تمام خادم ہیں نہ مخدوم اور اس بارہ میں حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ نے کیا اچھا کہا ہے۔

تا تو نائے بکف آری و بغفلت نخوری
شرط الصاف نباشد کہ تو فرمان نہ بری

ابرو بادوسہ و خورشید و فلک در کار اند
این ہمہ از بہر تو سرگشته و فرمان بردار

اور پھر ہم بقیہ تقریر کی طرف عود کر کے کہتے ہیں کہ ملائیک اللہ حبیباً کہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں ایک ہی درجہ کی عظمت اور بزرگی نہیں رکھتے نہ ایک ہی قسم کا کام انہیں سپرد ہے بلکہ ہر ایک فرشتہ علیحدہ علیحدہ کاموں کے انجام دینے کے لئے مقرر کیا گیا ہے دنیا میں جس قدر تم تغیرات و انقلابات دیکھتے ہو یا جو کچھ ممکن قوت سے حیرت فعل میں آتا ہے یا جس

قدر ارواح واجہام اپنے کمالات مطویہ تک پہنچتے ہیں ان سب پر تاثیرات سماویہ کام کر رہی ہیں
 یا کہی ایک ہی فرشتہ مختلف طور کی استعدادوں پر مختلف طور کے اثر ڈالتا ہے مثلاً جبرائیل
 جو ایک عظیم الشان فرشتہ ہے اور آسمان کے ایک نہایت روشن نیر سے تعلق رکھتا
 ہے اسکو کئی قسم کی خدمات سپرد ہیں انہیں خدمات کی موافق جو اس کے نیر سے لئے جاتے
 ہیں سو وہ فرشتہ اگرچہ ہر ایک ایسی شخص پر نازل ہوتا ہے جو وحی الہی سے مشرف کیا گیا ہو
 (نزول کی اصل کیفیت جو صرف اثر اندازی کے طور پر ہے نہ واقعی طور پر یاد رکھنی چاہئے)
 لیکن اُس کے نزول کی تاثیرات کا دائرہ مختلف استعدادوں اور مختلف ظروف کی لحاظ
 سے چوٹی چوٹی یا بڑی بڑی شکلوں پر تقسیم ہو جاتا ہے نہایت بڑا دائرہ اسکی روحانی تاثیرات
 کا وہ دائرہ ہے جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی سے متعلق ہے اسبوجہ سے جو مومنان
 وحقائق و کمالات حکمت و بلاغت قرآن شریف میں اکمل اور اتم طور پر پائے جاتے ہیں یہ عظیم الشان
 مرتبہ اور کسی کتاب کو حاصل نہیں اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے (جیسا کہ پہلے ہی ہم اسکی طرف اشارہ
 کر چکے ہیں) کہ ہر ایک فرشتہ کی تاثیر انسان کے نفس پر دو قسم کی ہوتی ہے اول وہ تاثیر جو جسم
 میں ہونے کی حالت میں باذنہ تعالیٰ مختلف طور کے تخم پر مختلف طور کا اثر ڈالتی ہے پھر دوسری
 وہ تاثیر جو بعد طیاری وجود کے اُس وجود کی مخفی استعدادوں کو اپنی کمالات ممکنہ تک پہنچانیکے
 لئے کام کرتی ہے اُس دوسری تاثیر کو جب نہ بنی یا کامل ولی کے متعلق ہو وحی کے نام سے
 موسوم کیا جاتا ہے اور یوں ہوتا ہے کہ جب ایک مستعد نفس اپنی نور ایمان اور نور محبت
 کے کمال سے مبدء فیوض کے ساتھ دوستانہ تعلق پکڑ لیتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی زندگی
 بخش محبت اُس کی محبت پر پر توجہ انداز ہو جاتی ہے تو اس حد اور اس وقت تک جو کچھ انسان
 کو آگے قدم رکھنے کے لئے مقدور حاصل ہوتا ہے یہ دراصل اُس پنچائی تاثیر کا اثر ظاہر ہوتا ہے
 کہ خدائے تعالیٰ کے فرشتہ نے انسان کو رحم میں ہونے کی حالت میں کی ہوتی ہے پھر بعد اُس کے
 جب انسان اس پہلی تاثیر کی کشش سے یہ مرتبہ حاصل کر لیتا ہے تو پھر وہی فرشتہ از سر نو
 اپنا اثر نور سے بہرہ اہوا اُس پر ڈالتا ہے مگر یہ نہیں کہ اپنی طرف سے بلکہ وہ درمیانی خادم
 ہونیکے وجہ سے اُس نالی کی طرح جو ایک طرف سے پانی کو ٹھینچتی اور دوسری طرف اُس پانی
 کو پہنچا دیتی ہے خدا تعالیٰ کا نور فیض اپنے اندر کھینچ لیتا ہے پر ہمیں اُس وقت میں کہ جب انسان
 بوجہ اقتراں محبتیں روح القدس کی نالی کے قریب اپنے متین رکھ دیتا ہے معاً اُس نالی

میں سے فیض وحی اُس کے اندر گر جاتا ہے یا یوں کہو کہ اس وقت جبریل اپنا نورانی سایہ اُس ساتھ
 دل پر ڈال کر ایک عکسی تصویر اپنی اس کے اندر رکھ دیتا ہے تب جیسے اُس فرشتہ کا جو آسمان
 پر مستقر ہے جبریل نام ہی اس عکسی تصویر کا نام بھی جبریل ہی ہوتا ہے یا مثلاً اُس فرشتہ کا نام روح
 القدس ہے تو عکسی تصویر کا نام بھی روح القدس ہی رکھا جاتا ہے سو یہ نہیں کہ فرشتہ انسان کے
 اندر گھس آتا ہے بلکہ اُس کا عکس انسان کے آئینہ قلب میں نمودار ہو جاتا ہے مثلاً جب تم نہایت
 مصطفیٰ آئینہ اپنے مونہ کے سامنے رکھ دو گے تو موافق دائرہ مقدار اُس آئینہ کے تمہاری شکل کا
 عکس بلا توقف اُس میں پڑیگا یہ نہیں کہ تمہارا مونہ اور تمہارا سر گردن سے ٹوٹ کر اور الگ
 ہو کر آئینہ میں رکھ دیا جائیگا۔ بلکہ اُس جگہ پر لگا ہوا چھوٹا سا چھوٹا سا عکس بھی
 ہر ایک جگہ ایک ہی مقدار پر نہیں پڑے گا بلکہ جیسی جیسی وسعت آئینہ قلب کی ہوگی اُسی مقدار
 کے موافق اثر پڑیگا مثلاً اگر تم اپنا چہرہ اُسی کے شیشے میں دیکھنا چاہو کہ جو ایک چھوٹا سا شیشہ
 ایک قسم کی انگشتی میں لگا ہوا ہوتا ہے تو اگر چہ اُس میں ہی تم چہرہ نظر آئیگا مگر ہر ایک عضو اپنی اصلی
 مقدار سے نہایت چھوٹا ہو کر نظر آئیگا لیکن اگر تم اپنی چہرہ کو ایک بڑے آئینہ میں دیکھنا چاہو جو
 تمہاری شکل کے پورے انعکاس کے لئے کافی ہے تو تمہارے تمام نقوش اور اعضا چہرہ
 کے اپنے اصلی مقدار پر نظر آجائیں گے پس یہی مثال جبریل کے تاثیرات کی ہے ادنیٰ سے ادنیٰ
 مرتبہ کے ولی پر جبریل ہی تاثیر وحی کی ڈالتا ہے اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے
 دل پر بھی وہی جبریل تاثیر وحی کی ڈالتا رہا ہے لیکن ان دونوں وحیوں میں وہی فرق مذکورہ بالا اُسی
 کے شیشے اور بڑے آئینہ کا ہے یعنی اگرچہ نظام صورت جبریل وہی ہے اور اُسکی تاثیرات بھی
 وہی مگر ہر ایک جگہ مادہ قابلہ ایک ہی وسعت اور صفائی کی حالت پر نہیں اور یہ جو اس جگہ میں
 نے صفائی کا لفظ بھی لکھ دیا تو یہ اس بات کے اظہار کے لئے ہے کہ جبریل تاثیرات کا اختلاف صرف
 کمیت کے ہی متعلق نہیں بلکہ کیفیت کے بھی متعلق ہے یعنی صفائی قلب جو شرط انعکاس ہے
 تمام افراد ملہمین کے ایک ہی مرتبہ تک پر کہی نہیں ہوتے جیسے تم دیکھتے ہو کہ سارے آئینے ایک
 ہی درجہ کی صفائی ہرگز نہیں رکھتے بعض آئینے ایسے اعلیٰ درجہ کے آبدار اور مصطفیٰ ہوتے ہیں
 کہ پورے طور پر جیسا کہ چاہیئے دیکھنے والے کی شکل ان میں ظاہر ہو جاتی ہے اور بعض ایسے
 کشیف اور مکدر اور پر غبار اور دود آمیز جیسے ہوتے ہیں کہ صاف طور پر انہیں شکل نظر نہیں آتی
 بلکہ بعض ایسے بگڑے ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر مثلاً ان میں دونوں لب نظر آویں تو ناک دکھائی

نہیں دیتا اور اگر ناک نظر آگیا تو آنکھیں نظر نہیں آتیں سو یہی حالت دلوں کے آئینہ کی ہے جو نہایت درجہ کا مصفیٰ دل ہے مصفا طور پر انکاس ہوتا ہے اور کسی قدر مکرر ہے اُس میں اسی قدر مکرر دکھائی دیتا ہے اور اکمل اور اتم طور پر یہ صفائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو حاصل ہے ایسی صفائی کسی دوسرے دل کو ہرگز حاصل نہیں۔

اس جگہ اس نکتہ کا بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ جو علت العلل ہے جس کے وجود کے ساتھ تمام وجودوں کا سلسلہ وابستہ ہے جب وہ کہی مر یا نہ یا قاسر نہ طور پر کوئی جنبش اور حرکت ارادی کسی امر کے پیدا کرنے کے لئے کرتا ہے تو وہ حرکت اگر اتم اور اکمل طور پر ہو تو جمیع موجودات کی حرکت کو مستلزم ہوتی ہے اور اگر بعض شیوں کے لحاظ سے یعنی جزئی حرکت ہو تو اُسی کے موافق عالم کے بعض اجزاء میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ خداے عزوجل کے ساتھ اسکی تمام مخلوقات اور جمیع عالموں کا جو علاقہ ہے وہ اُس علاقہ سے مشابہ ہے جو جسم کو جان سے ہوتا ہے اور جیسے جسم کے تمام اعضا روح کے ارادوں کے تابع ہوتے ہیں اور جس طرف روح جھکتی ہے اُسی طرف وہ جھک جاتے ہیں یہی نسبت خدا تعالیٰ اور اسکی مخلوقات میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ میں صاحب فصوص کی طرح حضرت واجب الوجود کی نسبت یہ تو نہیں کہتا کہ خلق الاشیا و ہو عینہا۔ مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ خلق الاشیا و ہو عینہا۔ ہذا العالم کصریح ممدون قواریر و ماء الطاقت العظمیٰ سجدی تھتا و فیعل مایرید یخیل فی عیون قاصرۃ کا نہا ہو یحسبون الشمس والقمر والنجوم موثرات بذاتہا ولا موثر الایہور۔

حکیم مطلق نے میرے پر یہ راز سر بہتہ کہہ دیا ہے کہ یہ تمام عالم سوا اپنی جمیع اجزاء کے اُس علت العلل کے کاموں اور ارادوں کی انجام دہی کے لئے سچ پچ اُس کے اعضا کی طرح واقع ہے جو خود بخود قائم نہیں بلکہ ہر وقت اُس روح اعظم سے قوت پاتا ہے جیسے جسم کی تمام قوتیں جان کی طفیل سے ہی ہوتی ہیں اور یہ عالم جو اُس وجود اعظم کے لئے قائم مقام اعضا کا ہے بعض چیزیں اُس میں ایسی ہیں کہ گویا اُس کے چہرہ کا نور ہیں جو ظاہری یا باطنی طور پر اُس کے ارادوں کے موافق روشنی کا کام دیتی ہیں اور بعض ایسی چیزیں ہیں کہ گویا اُس کے ہاتھ ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ گویا اُس کے پیر ہیں اور بعض اُس کے سانس کی طرح ہیں غرض یہ مجموعہ عالم خدا تعالیٰ کے لئے بطور ایک اتم کے واقع ہے اور تمام آب

و تاب اُس اندام کی اور ساری زندگی اُسکی اُسی روحِ عظیم سے ہے جو اُسکی قیوم ہے اور جو کہ
اُس قیوم کی ذات میں ارادی حرکت پیدا ہوتی ہے وہی حرکت اُس اندام کے کل اعضا یا بعض میں
جیسا کہ اُس قیوم کی ذات کا تقاضا ہو پیدا ہو جاتی ہے۔

اس بیان مذکورہ بالا کی تصویر دکھلانیکے لئے تخلی طور پر ہم فرض کر سکتے ہیں کہ قیوم
العالمین ایک ایسا وجودِ عظیم ہے جسکے بیشمار ہاتھ بیشمار سپر اور ہر ایک عضو اس کثرت
سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لا اشتیاء عرض اور طول رکھتا ہے اور تندوی کی طرح اُس وجودِ عظیم
کی تارین بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے
رہی ہیں یہ وہی اعضا ہیں جنکا دوسرے نفیوں میں عالم نام سے جب قیوم عالم کوئی حرکت
جزوی یا کلی کرے گا تو اُسکی حرکت کے ساتھ اُس کے اعضا میں حرکت پیدا ہو جانا ایک لازمی امر
ہوگا اور وہ اپنی تمام ارادوں کو انہیں اعضا کے ذریعہ سے بطور میں لائیگا کسی اور طرح سے
پس یہی ایک عام فہم مثال اُس روحانی امر کی ہے کہ جو کہا گیا ہے کہ مخلوقات کی ہر ایک جزو
خدا تعالیٰ کے ارادوں کی تابع اور اُس کے مقاصد مخفیہ کو اپنے خادمانہ چہرہ میں ظاہر کر رہی
ہے اور کمالِ درجہ کی اطاعت سے اُس کے ارادوں کی راہ میں محو ہو رہی ہے۔ اور یہ اطاعت
اس قسم کی ہرگز نہیں ہے جسکی صرف حکومت اور زبردستی پر بنا ہو بلکہ ہر ایک چیز کو خدا تعالیٰ
کی طرف ایک مقناطیسی کشش پائی جاتی ہے اور ہر ایک ذرہ ایسا بالطبع اُسکی طرف جھکا ہوا
معلوم ہوتا ہے جیسے ایک وجود کے متفرق اعضا اُس وجود کی طرف جھکے ہوئے ہوتے ہیں
پس درحقیقت یہی سچ ہے اور بالکل سچ کہ یہ تمام عالم اُس وجودِ عظیم کے لئے بطور اعضا کے
واقع ہے اور اسی وجہ سے وہ قیوم العالمین کہلاتا ہے کیونکہ جیسی جان اپنے بدن کی قیوم
ہوتی ہے ایسا ہی وہ تمام مخلوقات کا قیوم ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو نظامِ عالم کا بالکل بگڑ جاتا۔

ہر ایک ارادہ اُس قیوم کا خواہ وہ ظاہری ہی یا باطنی دینی یا دنیوی اسی مخلوقات کے توسط سے ظہور پذیر ہوتا
ہے اور کوئی ایسا ارادہ نہیں کہ بغیر ان وسیلے کے زمین پر ظاہر ہوتا ہو یہی قدیمی قانونِ قدرت ہے کہ جو ابتدا سے خدایا
ہے مگر ان لوگوں کی سمجھ پر سخت تعجب ہے کہ وہ ظاہری بارش ہو یکے لئے جو بادلوں کے ذریعہ سے
زمین پر ہوتی ہے بخاراتِ مائے کا توسط ضروری خیال کرتے ہیں اور خود بخود قدرت سے
بغیر بادل کے بارش ہو جانا محال سمجھتے ہیں لیکن الہام کی بارش کے لئے جو صاف دلوں پر
ہوتی ہے ہر ایک کے بادلوں کا توسط جو عند الشریع ضروری ہے اُسپر جہالت کی نظر پڑ

ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا خدا تعالیٰ بغیر ملائیک کے توسط کے خود بخود الہام نہیں کر سکتا تھا وہ اس بات کے قائل ہیں کہ بغیر توسط ہوا کے آواز سن لینا خلاف قانون قدرت ہے مگر وہ ہوا جو روحانی طور پر خدا تعالیٰ کی آواز کو ملہون کے دلون تک پہنچاتی ہے اُس قانون قدرت سے غافل ہیں وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ ظاہری آنکھوں کی بصارت کے لئے آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہی مگر وہ روحانی آنکھوں کے لئے کسی آسمانی روشنی کی ضرورت یقیناً نہیں رکھتی۔

اب جبکہ یہ قانون الہی معلوم ہو چکا کہ یہ عالم اپنے جمیع قوی ظاہری و باطنی کیساتھ حضرت واجب الوجود کے لئے بطور اعضا کے واقف ہے اور ہر ایک چیز اپنے اپنے محل اور موقع پر اعضا ہی کا کام دے رہی ہے اور ہر ایک ارادہ خدا تعالیٰ کا انہیں اعضا کے ذریعہ سے ظہور میں آتا ہے کوئی ارادہ بغیر ان کی توسط کے ظہور میں نہیں آتا تو اب جاننا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے وحی میں جو پاک دلون پر نازل ہوتی ہے جبریل کا تعلق جو شریعت اسلام میں ایک ضروری مسئلہ سمجھا گیا اور قبول کیا گیا ہے یہ تعلق ہی اسی فلسفہ حق پر ہی مبنی ہے جس کا اہی ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حسب قانون قدرت مذکورہ بالا یہ امر ضروری ہے کہ وحی کے اقلیا ملکہ وحی کے عطا کرنے کے لئے بھی کوئی مخلوق خدا تعالیٰ کے الہامی اور روحانی ارادہ کو مبصرہ ظہور لانے کے لئے ایک عضو کی طرح بنکر خدمت بجا لاوے جیسا کہ جسمانی ارادوں کے پورا کرنے کے لئے بجا لارہے ہیں سو وہ وہی عضو ہی جسکو دوسرے لفظوں میں **جبریل** کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جو بہ تبعیت حرکت اُس وجود اعظم کے سچ مچ ایک عضو کی طرح بلا توقف حرکت میں آجاتا ہے یعنی جب خدا تعالیٰ محبت کرنے والے دل کی طرف محبت کے ساتھ رجوع کرتا ہے تو حسب قاعدہ مذکورہ بالا جسکا ابھی بیان ہو چکا ہے جبریل کو بھی جو سانس کی ہوا یا آنکھ کے نور کی طرح خدا تعالیٰ سے نسبت رکھتا ہے اُس طرف ساتھ ہی حرکت کرنی پڑتی ہے یا یوں کہو کہ خدا تعالیٰ کی جنبش کیساتھ ہی وہ بھی بلا اختیار و بلا ارادہ اسی طور سے جنبش میں آجاتا ہے کہ جیسا اصل کی جنبش سے سایہ کا ملنا طبعی طور پر ضروری امر ہے پس جب جبریل نور خدا تعالیٰ کی کشش اور تحریک اور نغمہ نوایا سے جنبش میں آجاتا ہے تو معاً اس کی ایک عکسی تصویر جسکو روح القدس کے ہی نام سے موسوم کرنا چاہیئے محبت صادق کے دل میں منقش ہو جاتی ہے اور اُسکی محبت صادق کا ایک عرض

لازم ٹہر جاتی ہے تب یہ قوت غداء تعالیٰ کے آواز سُننے کے لئے کان کا فائدہ بخشتی ہے اور اُس کے عجائبات کے دیکھنے کے لئے آنکھوں کی قائم مقام ہو جاتی ہے اور اُس کے الہامات زبان پر جاری ہونگے لئے ایک ایسی حرارت کا کام دیتی ہے جو زبان کے پیہہ کو زور کے ساتھ الہامی خط پر چلاتی ہے اور جب تک یہ قوت پیدا نہ ہو اُس وقت تک انسان کا دل اندر کی طرح ہوتا ہے اور زبان اُس ریل کی گاڑی کی طرح ہوتی ہے جو چلنے والے اجن سے الگ پڑی ہو لیکن یاد رہے کہ یہ قوت جو روح القدس سے موسوم ہے ہر ایک دل میں یکساں برابر پیدا نہیں ہوتی بلکہ جیسے انسان کی محبت کامل یا ناقص طور پر ہوتی ہے اُسی اندازہ کی موافق یہ جبریلی نور اُس پر اثر ڈالتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ روح القدس کی قوت جو دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے دلیں جبریلی نور کے پرتو سے پیدا ہو جاتی ہے اُس کے وجود کے لئے یہ امر لازم نہیں کہ ہر وقت انسان خدا تعالیٰ کا پاک کلام سُنتا ہی رہے یا کشفی طور پر کچھ دیکھتا ہی رہے بلکہ یہ تو انوارِ سماویہ کے پانے کے لئے اسبابِ قریبہ کی طرح ہے یا یوں کہو کہ یہ ایک روحانی روشنی روحانی آنکھوں کے دیکھنے کے لئے یا ایک روحانی ہوا روحانی کانوں تک آواز پہنچانے کے لئے منجانب اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک کوئی چیز اسے موجود نہ ہو تو جو روشنی کچھ دکھا نہیں سکتی اور جب تک مستحکم کے موہنے سے کلام نہ نکلی مجرہ ہوا کانوں تک کوئی خبر نہیں پہنچا سکتی سو یہ روشنی یا یہ ہوا روحانی ہوا اس کے لئے محفوظ ایک آسمانی مویہ عطا کیا جاتا ہے جیسے ظاہری آنکھوں کے لئے آفتاب کی روشنی اور ظاہری کانوں کے لئے ہوا کا ذریعہ مقرر کیا گیا ہے اور جب باری تعالیٰ کا ارادہ اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ اپنا کلام اپنے کسی مہم کے دل تک پہنچا دے تو اُسکی اس مستحکم حرکت سے معاً جبریلی نور میں القا کے لئے ایک روشنی کی موج یا ہوا کی موج کی طرح ایک لسان کے لئے ایک حرارت کی موج پیدا ہو جاتی ہے اور اُس موج یا اُس حرارت سے بلا توقف وہ کلام مہم کی آنکھوں کے سامنے لکھا ہوا دیکھائی دیتا ہے یا کانوں تک اُسکی آواز پہنچتی ہے یا زبان پر وہ الہامی الفاظ جاری ہوتے ہیں اور روحانی حواس اور روحانی روشنی جو قبل از الہام ایک قوت کی طرح ملتی ہے یہ دونوں قوتیں اس لئے عطا کی جاتی ہیں کہ تا قبل از نزول الہام الہام کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے کیونکہ اگر الہام ایسی حالت میں نازل کیا جاتا کہ مہم کا دل

حواس روحانی سے محروم ہوتا یا روح القدس کی روشنی دل کی آنکھ کو پہنچی نہ ہوتی تو وہ الہام الہی کو کن آنکھوں کی پاک روشنی سے دیکھ سکتا سو اسی ضرورت کی وجہ سے یہ دونوں پہلے ہی سے ملہم کو عطا کی گئیں اور اس تحقیق سے یہ بھی ناظرین سمجھ لیں گے کہ وحی کے متعلق جبریل کے تین کام ہیں۔

اول یہ کہ جب رحم میں ایسٹرخس کے وجود کے لئے نطفہ پڑتا ہے جس کی فطرت کو اللہ جل شانہ اپنی رحمانیت کے تقاضا سے جس میں انسان کے عمل کو کچھ دخل نہیں ملتا نہ فطرت بنانا چاہتا ہے تو اس پر اسی نطفہ پڑنے کی حالت میں جبریل نور کا سایہ ڈال دیتا ہے تب ایسٹرخس کی فطرت منجانب اللہ الہامی خاصیت پیدا کر لیتی ہے اور الہامی حواس اس کو مل جاتے ہیں۔

پھر دوسرا کام جبریل کا یہ ہے کہ جب بندہ کی محبت خدا تعالیٰ کی محبت کے زیرِ پا اُڑتی ہے تو خدا تعالیٰ کی مریدانہ حرکت کی وجہ سے جبریل نور میں بھی ایک حرکت پیدا ہو کر محبت صادق کے دل پر وہ نور جا پڑتا ہے یعنی اس نور کا عکس محبت صادق کے دل پر پڑ کر ایک عکسی تصویر جبریل کی اُس میں پیدا ہو جاتی ہے جو ایک روشنی یا ہوا یا گرمی کا کام دیتی ہے اور بطور ملکہ الہامی کے ملہم کے اندر رہتی ہے ایک ہر اس کا جبریل کے نور میں غرق ہوتا ہے اور دوسرا ملہم کے دل کے اندر داخل ہو جاتا ہے جس کو دوسرے لفظوں میں روح القدس یا اس کی تصویر کہہ سکتے ہیں۔ **تیسرا** کام جبریل کا یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی کلام کا ظہور ہو تو ہوا کی طرح موج میں اگر اس کلام کو دل کے کانوں تک پہنچا دیتا ہے یا روشنی کے پیرایہ میں افروزت ہو کر اس کو نظر کے سامنے کر دیتا ہے یا حرارت محو کے پیرایہ میں تیزی پیدا کر کے زبان کو الہامی الفاظ کی طرف چلاتا ہے۔

اس جگہ میں اُن لوگوں کا وہم بھی دور کرنا چاہتا ہوں جو ان شکوک اور شباحت میں مبتلا ہیں جو اولیا اور انبیاء کے الہامات اور مکاشفات کو دوسرے لوگوں کی نسبت کیا خصوصیت ہو سکتی ہے کیونکہ اگر نبیوں اور ولیوں پر امور غیبیہ کہلتے ہیں تو دوسرے لوگوں پر بھی کبھی کبھی کہلاتی ہیں بلکہ بعض فاسقوں اور فایت درجہ کے بدکاروں کو بھی سچی خوابیں آجاتی ہیں بلکہ بعض پرلے درجہ کے بدعاش اور شریر آدمی ایسے ایسے مکاشفات بیان کیا کرتے ہیں کہ آخر وہ سچے ہو جاتے ہیں پس جبکہ اُن لوگوں کے ساتھ جو اپنے تئیں نبی یا کسی اور خاص درجہ کے آدمی تصور کرتے ہیں ایسے ایسے بدچلن آدمی بھی شریک ہیں جو بدچلنیوں اور بدمناسیوں میں چھپے ہوئے

اور شہرہ آفاق ہیں تو نبیوں اور ولیوں کی کیا فضیلت باقی رہی سو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ درحقیقت یہ سوال جس قدر اپنی اصل کیفیت رکھتا ہے وہ سب درست اور صحیح ہے اور جبریلی نور کا چہیہ لیسواں حصہ تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے جس سے کوئی فاسق اور فاجر اور پرلے درجہ کا بدکار بھی باہر نہیں بلکہ میں یہاں تک مانتا ہوں کہ تجربہ بین آچکا ہے کہ بعض اوقات ایک نہایت درجہ کی فاسقہ عورت جو کنجریوں کے گروہ میں سے ہے جسکی تمام جوانی بدکاری میں ہی گزری ہے کبھی سچی خواب دیکھ لیتی ہے اور زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ ایسی عورت کبھی ایسی رات میں بھی کہ جب وہ بادہ سرد و آتشناہر کا مصداق ہوتی ہے کوئی خواب دیکھ لیتی ہے اور وہ سچی نکلتی ہے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ جبریلی نور آفتاب کی طرح جو اس کا ہیڈ کو اڑھ ہے تمام معمورہ عالم پر حسب استعداد انکی اثر ڈال رہا ہے اور کوئی نفس بشر دنیا میں ایسا نہیں کہ بالکل تاریک ہو کم سے کم ایک ذرہ سی محبت وطن اصلی اور محبوب اصلی کی ادنیٰ سی ادنیٰ سرشت میں بھی ہے اس صورت میں نہایت ضروری تھا کہ تمام بنی آدم پر یہاں تک کہ انکے مجاہدین بھی کہی قدر جبریل کا اثر ہوتا اور فی الواقعہ ہے بھی کیونکہ مجاہدین ہی جنکو عوام الناس محذوب کہتے ہیں اپنی بعض حالات میں بوجہ اپنی ایک طور کے انقطاع کے جبریلی نور کے نیچے جا پڑتے ہیں تو کچھ کچھ انکی باطنی آنکھوں پر اس نور کی روشنی پڑتی ہے جس سے وہ خدا تعالیٰ کے تصرفات خفییہ کو کچھ کچھ دیکھنے لگتی ہے مگر ایسی خوابوں یا الیہ کا شفا سے نبوت اور ولایت کو کچھ صدمہ نہیں پہنچتا اور انکی شان بلند میں کچھ ہی فرق نہیں آتا اور کوئی التباس حیران کرنے والا واقعہ نہیں ہوتا کیونکہ درمیان میں ایسا فرق بین ہے کہ جو بدیہی طور پر ہر ایک سلیم العقل سمجھ سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خواص اور عام کی خوابیں اور مکاشفات اپنی کیفیت اور کیفیت اتصالی و انفصالی میں ہرگز برابر نہیں ہیں جو لوگ خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہیں وہ خارق عادت کے طور پر نعمت غیبی کا حصہ لیتے ہیں دنیا ان نعمتوں میں جو انہیں عطا کیجاتی ہیں صرف ایسے طور کی شریک ہے جیسے شاہ وقت کے خزانہ کے ساتھ ایک گداور ہو اگر ایک درم کے حامل رکھنی کیوجہ سے شریک خیال کیا جائے لیکن ظاہر ہے کہ اس ادنیٰ مشارکت کیوجہ سے نہ بادشاہ کی شان میں کچھ شکست آسکتی ہے اور نہ اُس گدا کی کچھ شان بڑھ سکتی ہے اور اگر ذرہ غور کر کے دیکھو تو یہ ذرہ مثال مشارکت ایک کرم شب تاب ہی جسکو پٹ سچینا یا جگنو ہی کہتے ہیں آفتاب کے ساتھ رکھتا ہے تو کیا وہ اس مشارکت کیوجہ سے آفتاب کی عزت

میں سے کوئی حصہ لے سکتا ہے سو جانتا چاہیے کہ درحقیقت تمام فضیلتیں باعتبار اعلیٰ درجہ کمال کے جو کمیت اور کیفیت کے رو سے حاصل ہو پیدا ہوتی ہیں یہ نہیں کہ ایک حرف کی شناخت سے ایک شخص فاضل اجل کا ہم پایہ ہو جائیگا یا اتفاقاً ایک مصرعہ بن جانے سے بڑے شاعر بن جائے گا۔ ذرہ مثال شراکت سے کوئی نوع حکمت یا حکومت کے خالی نہیں اگر ایک بادشاہ سارے جہان کی حکومت کرتا ہے تو ایسا ہی ایک مزدور آدمی اپنی جھونپڑی میں اپنی بچوں اور اپنی بیوی پر حاکم ہے۔ یہ بات کہ خدا تعالیٰ نے نیک بختوں اور بد بختیوں میں مشارکت کیوں رکھی اور تم کے طور پر غافلین کے گروہ کو نعمت غیبی کا کیوں حصہ دیا اس کا جواب یہ ہے کہ الزام اور اتمام حجت کیلئے تا اس تمنی شراکت کی وجہ سے ہر ایک منکر کاملوں کی حالت کا گواہ ہو جائے کیونکہ جبکہ وہ اپنی چھوٹے سے دائرہ استعداد میں کچھ نمونہ ان باتوں کا دیکھتا ہے جو ان کاملوں کی زبان سے سنتا ہے پس اس تہوڑی سی جہلک کی وجہ سے اس کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اپنی سچی دل سے ان الہامی امور کو بالکل غیر ممکن سمجھے سو وہ اس روحانی خاصیت کا ایک ذرا سا نمونہ اپنے اندر رکھنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے الزام کے نیچے ہی جبکہ رو سے بحالت انکار وہ پکڑا جائیگا جیسا کہ آجکل کے آریہ خیال کر رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے چاروں ویڈوں کو نازل کر کے پھر ایک تخت ہمیشہ کیلئے الہام کی صفت کو لپیٹ دیا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کا قانون قدرت انہیں ملزم کرتا ہے جبکہ وہ کچھ خود دیکھتے ہیں کہ یہ سلسلہ انکشافات غیبیہ کا ابتک جاری ہے اور انہیں سے فاسق آدمی بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سچا خواب میں دیکھ لیتے ہیں پس ظاہر ہے کہ وہ خدا جسے اپنا روحانی فیض نازل کر نیسے اس زمانہ کے فاسقوں اور دنیا پرستوں کو بھی محروم نہیں رکھا اور انہیں بھی باوجود فقدان کامل مناسبت کے کہہ سکتے ہیں کہ یہ شحات غیض نازل کرتا ہے تو اپنی نیک بندوں پر جو اسکی مرضی پر چلیں اور اتم طور پر اس سے مناسبت رکھیں کیا کچھ نازل کرتا نہیں ہوگا اور ایک یہی اس تمنی مشارکت میں یہ ہے کہ تاہر ایک شخص کو وہ کیسا ہی فاسق اور بدکار یا کافر و خوار ہو اس مشارکت پر غور کر نیسے سمجھ لیں کہ خدا تعالیٰ نے اُسے ہلاک کرنے کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ اُس نے اُس کے اندر ترقی کی راہ رکھی ہے اور اُسکو یہی تخم کی طور پر ایک نمونہ دیا ہے جس میں وہ اُس کے قدم بڑھا سکتا ہے اور وہ فطر تاً خدا تعالیٰ کو جو ان نعمت سے محروم نہیں ہیں ہاں اگر آپ بے راہی اختیار کر کے اُس نور کو جو اُس کے اندر رکھا گیا ہے غیر مستعمل چھوڑ کر آپ محروم بن جائیں اور ان طبعی طریقوں کو جو نبات پانے کے طریق ہیں دیدہ و دانستہ چھوڑ دیوے تو یہ خود اُس کا ساختہ پر داختہ ہے جس کا بد نتیجہ اُسے پہنکتا پڑے گا۔

